فراقؔ کی رباعیات کا تنقیدی مطالعہ

مقالہ برائے ایم. فل

نگراں :

ڈاکٹر قیصر جہاں

پیش کردہ :

نیلوفر

شعبۂ اردو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۹۹۳ء

DS2305

MAULANA AZAD LIBRARY
Aligarh
Ds 2305

25 JUN 1994

انتساب

اس
عظیم
ہستی
کے
نام
جسکا نام نصریٰ سمیع ہے!

فہرست

صفحہ نمبر

1- پیش لفظ

2- رباعی کی تعریف و تاریخ

(الف) رباعی کی اہمیت 1

(ب) رباعی کی ایجاد 10

(ج) رباعی اور قطعہ میں امتیاز 14

3- اردو میں رباعی گوئی کی روایت 18

4- فراق کے ہم عصر اہم رباعی گو شعرا کا تفصیلی جائزہ

(الف) محروم 109

(ب) امجد 116

(ج) اثر لکھنوی 122

(د) اثر صہبائی 125

(ح) ساغر نظامی 128

(و) جوش 134

5- فراق کی رباعیات کا تنقیدی مطالعہ 151

(الف) موضوعات 182

(ب) ہندوستانی کلچر 206

(ج) زبان و بیان 222

6- کتابیات - 246

پیش لفظ

اردو غزل کو نئی سمت و رفتار سے روشناس کرانے والوں میں رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کا نام انتہائی اہمیت کا حامل ہے - فراق اپنے عہد کے ان شاعروں میں تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کی شاعری میں حیات و کائنات کی موسیقیت سے ہم آہنگ ہونے کی عجیب و غریب کیفیت ہے اس میں ایسا حسن ایسا رس اور ایسی لطافت ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی - فراق کی حیثیت نہ صرف ایک غزل گو کے مسلم ہے بلکہ صنف رباعی میں بھی شہرت کے بام عروج پر نظر آتے ہیں یوں تو فراق کی جملہ شاعری کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر ضرورت اس کی تھی کہ ان کی رباعیات کو بھی ادب کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا جائے تاکہ بحیثیت رباعی گو ان کی قدر و قیمت متعین ہو سکے - چنانچہ میں نے اسی مقصد کے تحت اپنے ایم فل کے مقالے کا موضوع فراق کی رباعیات کا انتخاب کیا -

زیرنظر مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں رباعی کی تعریف اسکی ایجاد و ابتدا اس کے متعین اوزان اور اس کے شجروں سے بحث کی گی ہے - اس کے علاوہ رباعی اور قطعہ کے امتیاز کو واضح کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے -

دوسرے باب میں اردو رباعی کا تاریخی خاکہ اور اس کا ارتقاء پیش کیا گیا ہے -

تیسرے باب میں فراق کے ان ہم عصر رباعی گو شعراء کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا ہے جن کو اس صنف میں نمایاں مقام حاصل ہے -

چوتھا باب جو خاص اہمیت کا حامل ہے اسمیں فراق کی تقریباً تمام رباعیات کے عہد بہ عہد جائزے کے علاوہ رباعیوں کے مختلف موضوعات جن میں ہندوستانی کلچر یہاں کے رسم و رواج اور یہاں کی گھریلو زندگی اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہے پیش کی گی ہے - فراق کی رباعیات کا خاص موضوع شرنگار رس ہے جس کا عمیق مطالعہ کیا گیا ہے انکے ہندی سنسکرت الفاظ ہندو دیو مالائی تصورات اور ہندو تلمیحات کے استعمال سے بحث کی ہے - اس باب کے آخری حصے میں فراق کی چند رباعیات کو عروضی پیمانے پر پرکھا گیا ہے جو اس مقالے کا اہم جزو ہے - پروفیسر گیان چند نے فراق کی ان چند رباعیوں کی نشان دہی کی ہے جو اوزان سے خارج ہیں یہ ان کا قابل قدر کارنامہ ہے اس میں پروفیسر گیان چند جین کی ان رباعیوں سے بھی استفادہ کیا ہے -

کتابیات میں صرف ان کتابوں اور رسالوں کے نام دیے گے ہیں - جن سے مقالے میں براہ راست حوالے درج ہیں ان کتابوں اور رسالوں کا ذکر نہیں کیا جنکو پڑھا تو گیا ہے مگر ان سے حوالے نہیں دیے گے -

میں ان تمام حضرات کی شکر گزار ہوں جنھوں نے اس مقالے کی تکمیل میں کسی نہ کسی طرح میری مدد کی - خاص طور پر انہی نگراں ڈاکٹر قیصرجہاں صاحبہ کی جنھوں نے مجھے اپنی علمی آداء سے نوازا اور کام کے دوران میری حوصلہ افزائی کی اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود مجھے زیادہ سے زیادہ وقت دے کر شفقت کا برتاو کیا - عروضی رہنمائی رمز آفاقی صاحب نے کی جنکی مدد کے بغیر یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتا میں ان کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بہت کم وقت میں ایک مشکل فن سے روشناس کرایا - میں ڈاکٹر انجمن ارا انجم کی بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے کام کے دوران میری ہمت افزائی کی اور وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی

اور عالمانہ مشوروں سے نوازتی رہیں -

مولانا آزاد لائبریری کے عملے نے بھی میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا اور کتابوں کی فراہمی کے مسلے کو آسان بنا دیا - اردو کے شعبۂ تحقیق میں نسرین آپا نے کتابوں اور رسائل کی تلاش میں میری ہر ممکن مدد کی - میں اپنی دوست شہناز کی بھی بے حد شکر گزار ہوں جو مجھے جلد سے جلد کام مکمل کرنے کا مشورہ دیتی رہی - انکے علاوہ تمام ان دوستوں اور اعزا کی شکر گزار ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی طرح اس مقالے کی تکمیل میں میری مدد کی - آفس میں ولی بھائی نے میری مدد کی میں ان کا شکریہ ادا کرنا نہیں بھولنا چاہتی -

اس مقالے میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو میرے کرم فرما اس طرف میری توجہ دلائیں میں انکی بیحد ممنون ہونگی -

مس نیلوفر
شعبۂ اردو
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

رباعی کی تعریف، تاریخ اور موضوعات

رباعی کی اہمیت ۔

رباعی اردو اصناف شاعری میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ غزل کی طرح اصناف شاعری میں رباعی بھی اہمیت کی حامل نظر آتی ہے۔ نہ تو اس میں غزل کے سے اختصار کی وجہہ سے تنگ دامانی کا احساس ہوتا ہے اور نہ نظم کی سی طوالت کے سبب حسن اور دلچسپی کو برقرار رکھنا مشکل بلکہ چار مصرعوں کے سبب ایک موضوع کو شاعر بہ آسانی پیش کر دیتا ہے۔ غزل میں شاعر رمز و کنایہ کا سہارا لیکر ایک بات کو بہتر سے بہتر طریقہ سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نظم لکھتے وقت موضوع اور بند کی پابندی اور طوالت کی وجہ سے حسنِ شعر کو برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے لیکن رباعی ایک ایسی صنف ہے جس میں چار مصرع ہوتے ہیں اس میں شاعر اپنی بات کو بہتر سے بہتر طریقے سے پیش کر سکتا ہے۔ غزل کی طرح رباعی کو کبھی بھی اپنی تنگ دامانی کا احساس نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محدود بحروں کے باوجود بھی اس میں ایک رعایت یہ ہے کہ ایک رباعی میں چار بحریں مختلف قسم کی استعمال کی جا سکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ انہیں مخصوص بحروں میں سے ہوں اس طرح رباعی کی ہزاروں شکلیں بن جاتی ہیں

اور اس کی تنگ دامانی کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ رباعی میں شروع سے ہی تمام موضوعات کو باندھنے کی روایت رہی ہے۔ شاعری کے کسی موضوع سے رباعی خالی نہیں جبکہ ایک غزل کو صرف ایک ہی بحر میں لکھا جا سکتا ہے۔ غزل میں شاعر کے پاس اپنے خیال کو پیش کرنے کے لیے صرف دو مصرع ہوتے ہیں اور رباعی کو کے پاس چار مصرع ہوتے ہیں ۔ اس لیے رباعی تو اختصار کی پابند ہوتی ہے اور نہ ہی نظم کی سی طوالت کی کوفت برداشت کرتی ہے۔ اس میں ردیف قافیہ کی بھی سختی سے پابندی نہیں کی جاتی جبکہ غزل کی شناخت کا دارومدار اس کی ظاہری ہئیت پر ہی ہے ۔

اگر ہم اردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو احساس ہوگا کہ شروع سے ہی جو توجہ غزل کو ملی رباعی کی طرف کسی شاعر نے اتنی توجہ نہیں کی لیکن عموما شعراء نے رباعی پر طبع آزمائی کی ہے اگرچہ انہوں نے صرف رباعی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دوسری اصناف شاعری پر اپنی توجہ مرکوز کی ۔ اس بات کا ثبوت قلی قطب شاہ کی شاعری ہے جو اکہ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کہلاتا ہے۔ اس کے یہاں

متعدد موضوعات پر رباعیاں ملتی ہیں جبکہ وہ بنیادی طور پر غزل کا شاعر تھا۔ اسی طرح شروع سے اب تک چند ہی مشہور شعراء رہے ہیں جنہوں نے صرف رباعی گوئی پر اکتفا کیا ہے۔

اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر رباعی پر بھرپور توجہ کی کی جاتی تو رباعی کا مقام آج جہاں ہے اس سے ہزار گنا آگے ہوتا۔ اس قدر کم توجہ کے باوجود رباعی نے اردو ادب میں ایک اہم مقام پیدا کیا اور اپنی اہمیت کا لوہا منوایا ۔

رباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی " چارچار" کے ہیں اصطلاحا رباعی اسی شعری ہئیت کو کہتے ہیں جس میں چار مصرع ان اوزان میں پائے جاتے ہوں جو رباعی کے لیے مخصوص ہیں۔ اس کا پہلا، دوسرا، اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے کبھی کبھی تیسرے مصرع میں بھی قافیہ کی پابندی کی جاتی ہے یہ کوئی عیب نہیں یہ چاروں مصرع فکر اور خیال کے لحاظ سے مکمل ہوتے ہیں ۔ صاحب مہذب اللغات نے اپنی لغت میں اچھی رباعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

" ماہرین فن شعر کہتے ہیں کہ رباعی کی دوسری بیت میں کوئی نکتہ، لطیفہ یا ضرب المثل وغیرہ کا ذکر کرنا چاہئیے اور اس کے علاوہ کچھ نہ کہا جائے اور دوسرا شعر پہلے شعر سے بلند تر ہو۔ چنانچہ جو رباعیاں ان اوصاف سے متصف ہوتی ہیں، مقبول خاص و عام ہو جاتی ہیں۔ رباعیوں کو شاعر کی نکتہ رس، بزلہ سنجی، شوخ طبع، معنی آفرینی، حسن کلام اور سلیقہ انتظام کا آئینہ ہونا چاہئیے۔ ا "

صاحب مہذب اللغات رباعی کی تعریف کے سلسلے میں کہتے ہیں ۔

" رباعی وہ چار مصرعوں کی نظم ہے جس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا لازمی ہے۔ رباعی کا وزن بحر ہزج مثمن سالم سے بنایا گیا ہے اور اس کے چوبیس اوزان ہیں ۔

مصرعے ہیں رباعی کے حدود اربع
ہر بیت پہ جنت کا طلب گار ہوں میں

ا ۔ مہذب اللغات جلد پنجم، مرتب حضرت مہذب لکھنوی، ص 480

رباعی کا نام رباعی اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کا
وزن بحر ہزج کی ایک شاخ ہے اور بحر ہزج
اشعار عرب میں مربع الاجزا ہے یعنی ایک شعر میں
چار رکن ہوتے ہیں اور ہر رکن سالم ہوتا ہے
اس لیے عربوں کے خیال میں رباعی کا ہر مصرع ایک
بیت ہے اس وجہ سے اسکو رباعی اور چہار بیتی کہتے
لگے لیکن متاخرین نے چار مصرعوں کو دو بیت فرض
کیا اور رباعی کو دو بیتی کہنے لگے۔ بعض کا خیال
ہے کہ رباعی ،ربع (بمعنی چار چار) سے مشتق ہے
چونکہ ہر رباعی میں چار مصرع ہوتے ہیں اس لیے
اس کو چہار مصرعی اور دو بیتی کہا گیا۔ رباعی کو
ترانہ بھی کہتے ہیں ۔ا "

عروض کی مختلف کتابوں میں رباعی کے مختلف نام ملتے ہیں جیسے جفتی اور خصی۔ شروع میں رباعی کے چارمصرع باہم مقفی ہوا کرتے ہیں اس کے بعد تیسرے مصرعے سے قافیہ حذف کر دیا گیا اور اسے رباعی خصی کہنے لگے گویا چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں تو رباعی غیر خصی اور تیسرے مصرعے میں قافیہ نہ تو رباعی خصی کہینگے۔ بعض نے خصی کو مصرع اور غیر خصی کو غیر مرصع بھی نام دیا ہے۔ اصل میں رباعی کی صنفی شناخت کا دار و مدار اس کے مخصوص چوبیس (٢٤) اوزان پر ہے۔ عموما عروض داں اوزان رباعی کے دو شجرے بتاتے ہیں ۔ شجرہ اخرب اور شجرہ اخرم اوزان رباعی پر اخرب اور اخرم کا حکم عروض سے ناواقفیت ہے۔ رباعی کے اوزان بحر ہزج مثمن سالم سے بنتے ہیں یہ سبھی جانتے ہیں ۔
رباعی کے چار بنیادی اوزان یہ ہیں ۔

ا۔ مہذب اللغات، جلد پنجم مرتب مہذب لکھنوی، ص ۔ 480

۱ـ	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول
۲ـ	"	"	"	فعل
۳ـ	"	مفاعلن	"	فعول
٤ـ	"	"	"	فعل

باقی بیس اوزان تخنیق سے نکل آتے ھیں ۔

ان اوزان میں مفعول رکن اخرب ھے یہ زحاف خاص ھے جو صدر و ابتدا کے لیے مخصوص ھے پہلے اور دوسرے وزن میں دوسرا اور تیسرا رکن مفاعیل ھے جو مکفوف رکن ھے یہ زحاف عام جو مصرع کے کسی بھی حصہ میں لایا جا سکتا ھے۔ تیسرے اور چوتھے وزن میں دوسرا رکن مفاعلن ھے جو مقبوض رکن ھے اس کا تعلق بھی زحاف عام سے ھے اور یہ بھی مصرع کے کسی بھی حصہ میں لایا جا سکتا ھے لیکن رباعی میں مکفوف اور مقبوض رکن حشوین کے لیے مخصوص ھیں فعول اور فعل رکن عروض و ضرب کے لیے مخصوص ھیں فعول رکن اھتم ھے اور فعل رکن مجبوب یہ دونوں رکن زحاف خاص سے تعلق رکھتے ھیں ۔ اس طرح کل چھ زحاف رباعی کے اوزان میں کام کرتے ھیں ۔

مندرجہ بالا ارکان کے علاوہ رباعی کے صدر و ابتدا میں مفعولن بھی آتا ھے جو اخرم نہیں اخرم جیسا ھے کیونکہ عمل تخنیق سے بنا ھے اس کے بعد آنے والے رکن پر مخنق لکھ دیا جائے گا اور مفعولن اخرب ھی رھے گا ۔

حشو اول ۔ میں مفعولن ، مفاعیلن ، مفعول ، فاعلن رکن آتے ھیں ۔

حشو دوئم ۔ میں یہی تمام ارکان آتے ھیں صرف فاعلن نہیں آتا ۔

ان میں مفعولن رکن مکفوف ھے جو عمل تخنیق سے بنا ھے اس کے آنے والے رکن پر مخنق لکھ دینگے۔ یہ رکن اخرم جیسا تو ھے لیکن اخرم نہیں

کیونکہ زحاف خرم زحاف خاص میں سے ہے اور صدر و ابتدا کے لیے مخصوص

ان میں مفاعیلن رکن بھی مکفوفی ہے لیکن بظاہر سالم ہے۔

حقیقت میں سالم نہیں یہ بھی عمل تخنیق سے وجود میں آیا ہے اور

اس کے آگے والے رکن پر بھی مخنق لکھ دیا جائے گا ۔

ان میں مفعول بھی آتا ہے یہ بھی مکفوفی رکن ہے جو عمل تخنیق

سے وجود میں آگیا اس کے اگلے رکن پر بھی مخنق لکھ دیا جائے جو

اخرب جیسا ہے اخرب نہیں ۔

اس میں ایک رکن مفاعلن آتا ہے جو مکفوفی ہے اور تخنیق سے

فاعلن بن گیا۔ اس رکن پر مخنق لکھ دینگے یہ اشتر نہیں اشتر جیسا ہے۔

عروض و ضرب میں فع اور فاع آتا ہے اصل میں فعل مجبوب

رکن تخنیق ہو کر فع رہ گیا ہے اور فاع اصل میں اہتم رکن فعول کا

مخنق رکن ہے ۔ زیادہ تر اصحاب ناواقفیت کی بناء پر رباعی میں دس زحاف

کو تسلیم کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہے ۔

اخرب ۔ اخرم۔ اشتر۔ مکفوف۔ مقبوض۔ جب ،ہتم۔ سالم۔ تخنیق

اصل میں رباعی میں صرف اخرب ۔ مکفوف۔ مقبوض ۔ جب ۔ ہتم۔ تخنیق

آئے ہیں جن کا ذکر پہلے بھی کیا گیا ہے۔ باقی تمام رکن اخرم جیسے

اشتر جیسے۔ سالم جیسے ہیں ۔

رباعی کے چوبیس اوزان کا مکمل نقشہ مندرجہ ذیل ہے۔ طوسی نے

رباعی کے لیے کہا ہے " وتدئیے و تداست سبب ئیے سبب است " ۔

مندرجہ ذیل اوزان اس اصول پر پورے اترتے ہیں ۔ رباعی کے اوزان کے

شجرے اخرب اور اخرم کے بجائے اگر شجرۂ مکفوفی اور شجرۂ مقبوضی

کہیں تو بہتر ہوگا۔ اوزان رباعی کے شجروں کو شجرۂ اخرب اور اخرم کہنے

کے لیے زارعلامی اپنی کتاب کلید عروض میں منع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

" کہ لوگ غلطی سے انہیں دو شجروں میں ترتیب دیتے ہیں [1] "

شجرۂ مقبوضی

۱ ـ	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعل
	اخرب	مقبوض	مکفوف	مجبوب
۲ ـ	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعول
	اخرب	مقبوض	مکفوف	اهتم
۳ ـ	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع
	اخرب	مقبوض	مکفوف	مجبوب مخنق
٤ ـ	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فاع
	اخرب	مقبوض	مکفوف	اهتم مخنق
٥ ـ	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعل
	اخرب	مقبوض	مخنق، مکفوف	مجبوب
٦ ـ	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فع
	اخرب	مقبوض	مخنق، مکفوف	مجبوب
۷ ـ	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعول
	اخرب	مقبوض مخنق	مکفوف	اهتم
۸ ـ	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فاع
	اخرب	مقبوض مخنق	مکفوف	اهتم مخنق

شجرۂ مقبوض کے بنیادی اوزان

[1] کلید عروض زار علائی ص -

شجرۂ مکفوفی

شجرۂ مکفوفی کے بنیادی اوزان

۱ ـ	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعل
	اخرب	مکفوف	مکفوف	مجبوب
۲ ـ	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول
	اخرب	مکفوف	مکفوف	اهتم
۳ ـ	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فع
	اخرب	مکفوف	مکفوف	مجبوب مخنق
٤ ـ	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فاع
	اخرب	مکفوف	مکفوف	اهتم مخنق
٥ ـ	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعل
	اخرب	مکفوف	مکفوف مخنق	مجبوب
٦ ـ	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فع
	اخرب	مکفوف	مکفوف مخنق	مجبوب مخنق
۷ ـ	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعول
	اخرب	مکفوف	مکفوف مخنق	اهتم
۸ ـ	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فاع
	اخرب	مکفوف	مکفوف مخنق	اهتم مخنق
۹ ـ	مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعل
	اخرب	مکفوف مخنق	مکفوف	مجبوب
۱۰ ـ	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فع
	اخرب	مکفوف مخنق	مکفوف	مجبوب مخنق

۱۱ ـ مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعول
اخرب	مکفوف مخنق	مکفوف	اهتم

۱۲ ـ مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فاع
اخرب	مکفوف مخنق	مکفوف	اهتم مخنق

۱۳ ـ مفعولن	مفعولن	مفعول	فعل
اخرب	مکفوف مخنق	مکفوف مخنق	مجبوب

۱٤ ـ مفعولن	مفعولن	مفعولن	فع
اخرب	مکفوف مخنق	مکفوف مخنق	مجبوب مخنق

۱٥ ـ مفعولن	مفعولن	مفعول	فعول
اخرب	مکفوف مخنق	مکفوف مخنق	اهتم

۱٦ ـ مفعولن	مفعولن	مفعولن	فاع
اخرب	مکفوف مخنق	مکفوف مخنق	اهتم مخنق

ان چوبیس اوزان میں سے همه وقت دو،تین اور چار اوزان کا بھی استعمال کیا جا سکتا هے۔ چاروں مصروں کے لیے ایک هی وزن ضروری نہیں هے۔ ماهرین عروض کا خیال هے که ان اوزان سے متعدد شکلیں بن سکتی هیں ۔ کوئی دس هزار وزن بتاتا هے اور کوئی بانوے هزار نو سو چوراسی وزن کہتا هے۔ زار علای اپنی کتاب کا کلیدی عروض میں اپنے استاد کے بنائے هوئے باره اور اوزان کا تذکره کرتے هیں ۔ یه حقیقت هے که ان کے بنائے هوئے باره اوزان میں کسی قسم کی عروضی کوتاهی نہیں ملتی ان کا کہنا هے که جب حشو اول میں مفاعیل کے مقابلے میں مفاعلن هے تو حشو دوم میں کیوں نہیں هو سکتا جبکه مقبوض رکن مصرع کے هر حصه میں لانا جائز هے ۔ لیکن علاوه عنوان چشتی کے کسی نے بھی اس بات کو تسلیم نہیں کیا هے [1]

---

[1] عروض اور فنی مسائل عنوان چشتی ص - 68 - 69

جبکہ عروضی نکتۂ نظر سے سحر عشق آبادی کے بنائے ہوئے اوزان میں کوئی بھی عروضی سقم نہیں پایا جاتا ۔

زار علای شجرۂ اخرب اور اخرم کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں

" خواجہ امام حسن قسطان حراسانی نے ان اوزان رباعی کو محض اپنی کوتاہ نظری کے سبب دو شجروں اخرب و اخرم میں ترتیب دے کر اپنی لاعلمی کا ثبوت دیا ہے [1] "

ان تمام باتوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رباعی کی صنفی شناخت اس کے مخصوص اور متعین کردہ اوزان ہے تاکہ اس کی ظاہری شکل و صورت جبکہ ظاہری شکل کی بھی رباعی میں ایک خاص اہمیت ہے۔

رباعی کی ایجاد ۔

رباعی کی ایجاد کے سلسلے میں ڈاکٹر سلام سندیلوی نے اپنی کتاب " اردو رباعیات " کے اندر کافی لمبی بحث کی ہے جس میں انہوں نے فارسی اور اردو محققین کے حوالے درج کیے ہیں ۔ ان میں زیادہ تر حوالے جو زبازی کے واقعہ سے ماخوذ ہیں اور ان میں رودکی اور کسی میں ابو دلف عجلی اور ابن الکعب کا موجد قرار دیا گیا ہے۔ صاحب مہذب اللغات کہتے ہیں کہ ۔

" قواعد العروض میں خزانۂ عامرہ و میزان الافکار کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ ۲۵۱ع میں سلطان یعقوب بن لیث صفاد کالٹر کا عہد کے دن غزنین میں جوزکو کولیوں کی طرح کھیل رہا تھا جوز کے لڑھکنے سے لڑکے کی زبان پد خوشی میں یہ مصرع آگیا ۔

" غلطاں غلطاں ہمی دود تالب گو "

---

[1] کلید عروض - زار علامی ص ۔

یعقوب نے یہ مصرع فضلائے عہد کے سامنے پیش کیا
انہوں نے بہت غور کے بعد اس مصرع کو بحر ہزج
میں پایا اور ابوالحسن رودکی نے اسی وقت اس پر
تین مصرع لگائے اور اس کا نام دو بیتی رکھا۔ رودکی
کی یہ پہلی رباعی مشہور اور مقبول خاص و عام ہوئی
زیادہ تر اس پر اتفاق ہے لیکن بعض کہتے ہیں کہ
رودکی کے معاصر ابودلف عجلی اور بنت اللکعب نے
یعقوب کے لڑکے کے مصرع پر مصرع لگائے اور اس کا
نام دو بیتی رکھا۔ 1 "

فارسی کی سب سے قدیم کتاب جسکا نام المعجم فی معائر اشعار العجم ہے ۔ اس کا مصنف شمس الدین محمد بن قیس رازی ہے اور دوسری تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ان دونوں کتابوں کے حوالے دیکر سلام سندیلوی نے ان سے جو نتائج اخذ کیے ہیں انہیں کے الفاظ میں یہ ہیں ۔

" المعجم اور تذکرہ دولت شاہ کی مدد سے
ہم رباعی کی ایجاد کا دور متعین کرنے میں ناکام
ثابت ہوئے۔ 2 "

اس کے علاوہ اردو مصنفین میں سید سلیمان ندوی کی خیام مولانا شبلی کی شعرالعجم ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی سخندان فارس اس کے علاوہ دیباچے جو مختلف مجموعہ کلام اور کلیات وغیرہ پر لکھے گئے ہیں جیسے کلیات ولی احسن مارہروی کا دیباچہ " روح رواں " مجموعہ کلام جگت موہن لال رواں دیباچہ مولانا عزیز لکھنوی وغیرہ کے حوالے درج کرتے ہیں اور آخرکار اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ رباعی کو شخصی یا کسی خاص دور کی ایجاد

1۔ مہذاللغات جلد پنجم مرتب حضرت مہذب لکھنوی ص480 ۔
2۔ اردو رباعیات از ڈاکٹر سلام سندیلوی ص 45

نہیں بلکہ ایک ارتقائی صنف سخن ہے ۔

سلام سندیلوی کی اس بات میں وزن محسوس ہوتا ہے کیونکہ محمود شیرانی نے تنقید شعرالعجم حصہ دوم میں اس بات کا ذکر وضاحت کے ساتھ اس طرح کیا ہے ۔

"میرا عقیدہ ہے کہ رباعی کسی شخص کی ایجاد کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ ارتقاء یافتہ شکل ہے۔ قدیم چہار بیتی کی جو ہزج مربع اخرم و اخرب میں لکھی جاتی تھی ان ایام میں صد دو ابتدا میں اخرب و مکفوف ،اخرب و موخود کا اختلاف جائز سمجھا جاتا ہے جو چاربیتی کے ہر مصرع میں کارفرما ہے جس کی بناء پر پہلے مصرع کے شروع میں مفعول کے مقابلے میں دوسرے مصرعے دوسرے مصرع کے شروع میں مفاعیل یا مفاعیلن آتا ہے۔ بحر ہزج عربی میں مربع الارکان مستعمل ہے۔ جب عربی عروض فارسی میں اختیار کی گئی تو ضروری ہے کہ ابتدا میں اشعار ہزج کے مربع میں لکھے جاتے ہوں چنانچہ رباعی بھی مربع میں لکھی گئی۔ چونکہ اس میں چار شعرہوا کرتے تھے اس بناء پر اس کا نام چہار بیتی رکھا گیا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جب اصول مثمنات کی دریافت نے اہل ایران کو زیادہ خوش آئندہ شگفتہ اوزان سے آشنا کردیا۔ مربعات ترک کر دیے گئے اور مثمنات کو اختیار کر لیا گیا اور ترانہ جو چار بیت مربع پر شامل تھا۔ دو بیت مثمن کے قالب میں ڈھل گیا اور دو بیتی کہلایا۔ یہی اصول یعنی مربع کا مثمن کردیا نہ صرف

رباعی میں بلکہ دیگر اوزان میں بھی کام کر رہا ہے
مثال میں ہزج مربع کا یہ شعر عرض ہے ۔

من بے نو چنیں زار
تو از دور ہمی خند

اس کا وزن ہے مفعول، مفاعیل مصرع اول، مفاعیل مفاعیل
مصرع دوم یہ رباعی کا وزن نہیں ہے۔ یہاں ابتدا
میں صدر کے مقابلے میں مفاعیل کے بجائے مفعول لایا
گیا ہے۔ ایران کی بعد کی خوش مذاقی دیکھتے ہوئے
ایسا اختلاف ناقابل معافی ہے مگر جب اس وزن مربع کو
مثمن بنا لیا یعنی پورے شعر کا مصرع کر لیا۔ بروزن
مفعول مفاعیل، مفاعیل، مفاعیل تو ایک نہایت خوش آئندہ
وزن حاصل ہو گیا چنانچہ

لازم تھا کہ دیکھو مرا دستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ رباعی چہار بیتی کی ایک ارتقائی شکل ہے۔
ایک جگہ اور شیرانی اسی سلسلے میں لکھتے ہیں کہ

جب ہزج اخرب یا اخرم میں ایسے چار شعر
جمع ہو گئے اور آخر میں قافیہ پایا گیا تو قدما نے
چہار بیتی نام رکھ لیا۔ لیکن متاخرین نے ان چار
اشعار کو چار مصرع شمار کیا اس سے چاربیتی کا نام
دو بیتی رکھ دیا ۔ ا "

ا ۔ تنقید شعرالعجم حصہ اول مصنف محمود شیرانی، ص ۹ ۔

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رباعی شخصی ایجاد نہیں اور نہ کوئی اتفاقی واقعہ ظہور میں آیا اگر ایسا ہوتا تو مشہور مصرع جو رباعی کی ابتدا سے منسوب ہے ۔

غلطاں غلطاں ہمی رود طالب گو

پر لگائے گئے تین اور مصرع ابتک مشہور ہوچکے ہوتے اور تمام محققین اسے نقل ضرور کرتے۔ کسی نے بھی ان تین مصروعوں کو نقل نہیں کیا جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ ان تین مصروعوں کا صرف ذکر ہے سرے سے وجود ہی نہیں اس کے علاوہ سبھی محققین کی آراء کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کسی نے بھی رودکی کو رباعی کا موجد قرار نہیں دیا صرف اسی مشہور قصہ کا ذکر البتہ کیا ہے ۔

ان تمام نتائج سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رباعی کا موجد نہ تو رودکی ہے اور نہ رباعی کوئی شخصی ایجاد بلکہ یہ ایک ارتقائی صنف سخن ہے جو ایران میں پیدا ہوکر پلی بڑھی اور دوسری اصناف سخن کی طرح جوں کی توں اردو ادب میں داخل ہوگئی ۔

رباعی اور قطعہ میں امتیاز ۔

رباعی اور قطعہ میں بہت نازک فرق ہے۔ تھوڑی سی لغزش بھی رباعی کو قطعہ اور قطعہ کو رباعی میں تبدیل کر دیتی ہے ۔ مصنف بحرالفصاحت لکھتے ہیں کہ

" منیتےالعروض کے مؤلف کا یہ قول کہ جو رباعی اوزان مذکورہ بالا سے خارج ہو تو اس کو قطع کہنا چاہئیے نہ رباعی ۔ ا "

رباعی اور قطع کے فرق کو جاننے کے لیے ہمیں ان کے اصولوں پر روشنی ڈالنا بہت ضروری ہے۔ رباعی مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔

ا ۔ رباعی میں بحر کی سخت پابندی ہوتی ہے۔

ا ۔ بحرالفصاحت مصنف حکیم محمد نجم الغنی ص 241

۱۔ اس کے لیے اخرب مقبوض اور مکفوف کے چوبیس اوزان مقرر ہیں ۔ رباعی ان چوبیس اوزان میں سے کسی بھی وزن میں ہونی چاہئیے نہ ہونے کی صورت میں وہ رباعی سے خارج ہے اور قطعہ کہلائے جانے کی مستحق ہوگی ۔ ملاحظہ ہو ملاحظہ ہوں اوزان رباعی

۲۔ دوسری اہم پابندی مطلع کی ہے اگر اس میں مطلع نہیں تب بھی رباعی صنف رباعی سے خارج ہوگی اور قطعہ کے دائرے میں آئے گی ۔

۳۔ تیسری اہم شرط یہ ہے کہ اس میں صرف چار مصرعے ہونے چاہئیے ۔

۴۔ قطعہ کے لیے یہ سب پابندیاں نہیں ہیں قطعہ کسی بھی بحر میں ہو سکتا ہے اس کے لیے مطلع بھی ضروری نہیں اور اس میں اشعار کی تعداد بھی مقرر نہیں ۔ مثال کے طور پر اکبر الآبادی کا یہ قطعہ پیش ہے جس میں چودہ مصرعے پائے جاتے ہیں ۔

اک زمانہ تھا کہ مجھکو اپنے دل پر ناز تھا
ہر مصیبت میں وہ میرا مونس و دمساز تھا ۔
بزم ہستی میں کدورت سے رہا کرتا تھا پاس
تو حوادث کے لیے اک فرش پا انداز تھا ۔
میرے ہر اندیشہ مضطر کا تھا وہ غمگسار
ہر نقش میرے لیے وہ گوش بر آواز تھا ۔
انقلاب دہر سے بے اعتنائی تھی اسے
اس میں حیرت آفرینی تھی تو یہ طناز تھا ۔

ص - 9 - 8 - 7

پیش آیا ناگہاں وہ اک فراق روح سوز

برق بے تابی بنا جو صبر میں ممتاز تھا

اب وہی آرام جان اک زخم پہلو ہوگیا

کیا یہی وہ دل ہے اکبر مجھکو جس پر ناز تھا

ہاں وہی دل ہے کہے گا تجھ سے اک دن نازسے

تیرا صدمہ خوبیٔ انجام کا آغاز تھا 1

ایک ایسا قطعہ ملا حظہ ہو جس میں مطلع کی پابندی نہیں کی گئی -

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر

خاتون خانہ ہو وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم و متقی ہوں جو ہوں انکے منتظم

استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں 2

مجموعہ رباعیات میر انیس کے مقدمہ میں سید محمد عباس لکھتے ہیں کہ

" شعرا نے رباعی کی صرف بحر ہزج اخرب و اخرم

میں مختصر کردیا ہے اور اس کا خاص وزن

لاحول ولا قوۃ الا باللہ " قرار دیا گیا ہے لہذا

جو اس وزن پر نہ ہو وہ قطعہ سمجھا جائے گا رباعی

نہ ہوگی 3

شمیم احمد اپنی تصنیف " اصناف سخن اور شعری ہیئتیں " میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

" 7 - 2 - 3 رباعی کی اس ظاہری ہیئت میں ایسی

1- کلیات اکبر حصہ سوم ص 116

2- کلیات اکبر حصہ سوم ص 124

3- مجموعہ رباعیات میر انیس مقدمہ محمد عباس ص 8

کوئی مخصوص و اہم بات نہیں جو اسے صنف
کی حیثیت سے شناخت کرائے۔ اس کی صنفی شناخت
ان مخصوص اوزان میں مضمر ہے جن میں سے اگر
کسی ایک وزن میں بھی کوئی دو شعر (یا چار مصرعے)
نہیں ہیں تو وہ رباعی نہیں کہلائینگے انہیں
قطعہ کہا جائے گا ۔ ا "

ان تمام مثالوں اور خیالات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رباعی کہنا نہایت مشاق اور پختہ مشق شاعر کا کام ہے۔ اس میں اوزان کی نہایت پابندی ہوتی ہے۔ اچھے اچھے موزوں طبع شعراء سے لغزش ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رباعی لکھنے سے زیادہ تر شعراء نے پرہیز کیا ہے اور اگر جنہوں نے لکھی بھی ہیں تو ضمناً بعض ایسے بھی شعراء ہیں جن کی شہرت کا دار و مدار ان کی رباعیاں ہیں لیکن اس میں بہت ہی جانفشانی اور مشقت کی ضرورت پیش آتی ہے ۔

ا ۔ شمیم احمد ، اصناف سخن اور شعری ہئیتیں، ص ۔ 70

اردو میں رباعی گوئی کی روایت

اردو ادب میں دوسری اصناف کی طرح رباعی گوئی کی ابتداء بھی قلی قطب شاہ کے ہاتھوں ہوئی۔ اس بات کا ثبوت ان کا دیوان ہے جو قلی قطب شاہ کی زندگی میں مرتب ہو چکا تھا۔ اس میں رباعیاں موجود ہیں۔ دوبارہ اس کلیات کو قلی قطب شاہ کے داماد اور بھتیجے سلطان قطب شاہ نے ۱۵۲۵ع میں مرتب کیا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۸۵ع میں سیدہ جعفر نے بھی مرتب کیا۔

یہ تحقیق اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ جس طرح دوسری اصناف سخن کی ابتدا میں قلی قطب شاہ کو اولیت کا درجہ رہا ہے رباعی کی ابتداء بھی انہیں کے ہاتھوں ہوئی۔ ان کی ۳۸ رباعیاں کلیات میں موجود ہیں۔

قلی قطب شاہ نے رباعی کو اردو شاعری میں داخل ہی نہیں کیا بلکہ اس صنف میں متنوع موضوعات کے ساتھ ساتھ الفاظ کی جاذبیت رنگا رنگی زندگی اور عشق و محبت کے تجربات کو رباعی کا موضوع بنایا۔ دوسری اصناف سخن کی طرح قلی قطب شاہ کی رباعیاں بھی گردو پیش کے ماحول اور سماجی اثرات کی مظہر نظر آتی ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قلی قطب شاہ نے رباعی کو ہندوستانی مزاج بخشا اور رباعی کو

نئی وسعتوں سے آشنا کیا۔ فارسی شعراء کے یہاں رباعی زیادہ تر پندو نصائح یا اخلاقی مضامین کے اظہار کا وسیلہ تھی۔ قلی قطب شاہ نے اس میں عشقیہ اور سنگار رس کے مضامین کو داخل کیا اور ایک نئی روایت کی بنیاد ڈالی ۔

قلی قطب شاہ کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں عشق کی سرمستی اور حسن کا سراپا ملتا ہے۔

آنند منگے تو کد ہیں جاتا کوں نہ جھوڑ
پیگن منگے تو عشق کے پیگاں کوں نہ جھوڑ
جب عشق جو تو کرنے لگے دھن کے سنگات
جیو تن میں اچھے لگوں تو ہونٹاں کوں نہ جھوڑ

قلی قطب شاہ کی زیادہ تر زندگی عیش و عشرت اور بادہ و صہبا میں گزری اس لیے ان کے یہاں زیادہ تعداد رباعیوں کی عشقیہ اور خمریہ ہے۔ ان کی ایک خمریہ رباعی ملاحظہ ہو جو عمر خیام کی رباعیوں کا مزا دیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

ہے پھل کا ہنگام مدسوں باداں حاضر
پھولاں کے نمن سارے ہیں یاراں حاضر
اس وقت میں کیوں توبہ کیا جائے منجے
توبہ شکناں ہوا، نگاراں حاضر ۔

قلی قطب شاہ نے فارسی انداز کی بھی رباعیاں کہیں ہیں جیسے منقبت، اخلاق وغیرہ لیکن ان رباعیات میں کوئی تازگی یا ندرت نہیں ملتی۔ یوں تو پانچ رباعیاں مذہبی موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں انہوں نے حضرت علی کی منقبت کی ہے ۔

انبڑیا ہے علف ہت تھے مدن جام منجے
متوال کہیہ اس تھے رکھے جگ نام منجے
دوجگ میں نئیں کام کسی دھیاں سو منجے
ہے دھیاں سوں حیدر کے سدا کام منجے۔

ایک اخلاقی رباعی ملاحظہ ہو ۔

کب لگ اچھے لب یہ زھد ہود دل میں جام
اس پاپ سوں بھریا سوز یہ منجے کا کام
مدکے مدے لہاو جو صفاتیں ہیں تمام
یکچختہ برابر نہیں سے سو کب خام ۔

قلی قطب شاہ کے یہاں ہندی ،سنسکرت الفاظ بھی ملتے ہیں جس کا وہ بہت سلیقہ سے استعمال کرتے ہیں ۔ اسکے علاوہ [illegible] ہندی انداز شاعری بھی قلی قطب شاہ کے یہاں ملتی ہے جسے ہم سنگار رس کہہ سکتے ہیں اسی قسم کی ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

تج زلف کا جپ مال کروں ساری رات
نیناں کی دیوی لاکھ دیکھو پاٹ کے دھات
بوسا دیوو کر کہہ کے ہیا آس کر ۔
سب کردے حوالے توں میں جانوں و ونبات

کئی سو سال گزرنے کے بعد بھی قلی قطب شاہ کی اس قسم کی رباعیاں جدید شعراء جیسے جوش اور فراق کی رباعیوں سے ٹکر لیتی ہوئی نظر آئی۔ جوش اور فراق کی رباعیوں میں قلی قطب شاہ کی رباعیوں کا پرتو نظر آتا ہے۔

قطب شاہی دور کا سب سے زیادہ مشہور شاعر وجہی گزرا ہے۔ اس نے " سب رس " اور " تاج الحقائق " نامی تصانیف لکھی جو نثر میں

ہیں اور " قطب مشتری " کے نام سے ایک مثنوی لکھی جس میں ضمناً جابجا رباعیاں پائی جاتی ہیں ۔ یہ رباعیاں بطور ضرورت لکھی گئی ہیں ۔

اسی وجہ سے ان رباعیات میں وہ موضوعات نہیں پائے جاتے جو عموماً رباعیوں میں نظم کیے جاتے ہیں ۔ ان تمام رباعیوں کی تعداد نو ہے جو قصے کے سلسلے میں نظم کی گئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں ۔

اجازت خواستن محمد قلی قطب شاہ از پدر و مادر

میں ناسوں اس شہر تلک جائے بن
چنچل سکی کا چک درس پائے بن
اس جیو روانے کوں کہوں ہوئے قرار
اس نار کو اس ڈھارلے کر آئے بن

رباعی گفتن ابراہیم شاہ (پدر)

عاشق ہے جکوئی پنداے بھاس نا
سر ہے ملک اس بات میں نے جاسو نا
کیا کام نا عشق نے کرتے ہیں اسے
ہرگز کسی کے کے سے وہ آس نا

گشتن محمد قلی از دھارا ۔

کو شاہ اس بل منے آوے گا
کو شاہ منجے یہ سہوں گلے لاوے گا
کو شاہ ہمیں مل کے یہاں بڈھیں گے
کو شاہ سوں مل جیو خوشی پاوے گا

اس کے علاوہ اور بھی رباعیات کہی ہیں جو مندرجہ ذیل مواقع پر درج ہیں ۔ گشتن محمد قلی از دھارا ۔ محمد قلی کا بنگالہ جانا ، رباعی خواندن مشتری ، جدائی از مہتاب ، گفتن مریخ خاں حال خود را پیش محمد قلی وغیرہ ۔

ان تین شاعروں کے علاوہ بھی اس دور میں بہت سے شاعر گذرے ہیں جو یہ ہیں ۔ مثلاً احمد، قطبی، سلطان، بلاقی، جنیدی، ابن نشاطی طبعی، اویس، خواص غلام علی، سیوک، فائز، لطیف، افضل، نوری اور راجو لیکن ان میں سے کسی بھی شاعر کی رباعی نہیں ملتی صرف قطب شاہ، وجہی، غواصی کی رباعیاں ملتی ہیں ۔

اس کے بعد عادل شاہی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس خاندان کا آٹھواں بادشاہ علی عادل شاہ ثانی بھی ایک مشہور شاعر گذرا ہے اس کا تخلص شاہی تھا اور وہ نصرتی کا استاد بھی تھا۔ اس نے قصیدے، مثنویاں غزلیں کہی ہیں ۔ اس کے علاوہ اس کی رباعیات بھی ہیں، نصیرالدین ہاشمی نے دکن میں اردو میں اس کی ایک رباعی نقل کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے

سب دیس گیا ہے دھن تے لڑتے لڑتے
کٹیٹ رات گئی ہے پانوں پڑتے پڑتے۔
کیا ٹیک مدن کا اذیخ لگتا ہے منجے
ایسے پاوں سرے پرت کے جڑتے جڑتے۔ ا

نصرتی علی عادل شاہ ثانی کے دربار کا مشہور شاعر تھا۔ علی عادل شاہ اس کا استاد بھی تھا۔ اس نے نصرتی کو ملک الشعراء کا خطاب بھی دیا تھا۔ اس نے غزل، قصیدے، مثنویاں لکھیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک اچھا رباعی گو بھی تھا۔ اس کی تین رباعیاں درج ذیل ہیں ۔

بدگوئی کے مجھ حق میں بچن چل سہن نا
دونگر توکد ہیں ہرن کے تھے تل سہن نا
پھرتی ہے روتن پھرکی جب روتی دیکھو۔
ہرگز تو نئے باتی سون گھر چل نہیں نا

ا دکن میں اردو ۔ نصیر الدین ہاشمی ۔ صفحہ ۔ ۱۱۲

یاران دکن کی سوں وفای نہ کریں
ہوئیں تو بلند بخت بھلائی نہ کریں ۔
خوبی تو میں ان کی کیا کیا قطع نظر
اپکار ہے کہ پھرکر برائی نہ کریں

گر قصد تو جب کنج نشین ہونے میں
روئی تو پیچھے مت لگ تو جنم کھونے میں
مشہور ہے احتیاج جہاں بائن ہار ۔
برے نہ دو بیٹھے تو ہی چھپ کونے میں

اس دور کے مشہور شاعروں میں شاہ میران جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، عبدل، آتش، مقیمی، آمین، شوقی، ضعفی، ملک خوشنود، رستمی، دولت، شاہ ملک، شاہ امین الدین اعلی، ہاشمی، ایاغی، سیوا، علی، کریم، مرتضی، حسینی، مختار، قدرتی، مومن، قادر شاہ من عرف اور محظم ہیں ۔ لیکن ان شعراء میں سے کسی ایک کی بھی رباعی نہیں ملتی ۔ دراصل اس دور میں رباعیات کی طرف سے بے رخی برتی گئی ۔

ان شعراء کے بعد تقریبا ۱۱ ھ میں ولی، ضعیفی، امین، ذوقی بحری، مجرمی، بلبل، راجی، دریا، عبدالمجید، وجدی، محبوب عالم، فتح، عاشق، اشرف، ولی ویلوری، بیمارہ، طالب، راقی، یتیم احمد اور ندیم کا نام لیا جاتا ہے ۔ ان میں سے کسی شاعر نے رباعی کی طرف توجہ نہیں کی ۔

محمد قلی قطب شاہ کے بعد دوسرے بڑے رباعی گو شاعر ولی گزرے ہیں ۔ احسن مارہروی نے کلیات ولی میں ان کی ۲۶ رباعیاں درج کی ہیں جو مختلف موضوعات پر مبنی ہیں ۔ فارسی طرز کی رباعیاں سب سے پہلے ولی نے کہیں ۔ ان کی زبان قلی قطب شاہ کی زبان سے کہیں زیادہ

صاف ہے۔ ولی کے یہاں فارسی اور ہندی الفاظ زیادہ اور خالص دکنی الفاظ کم پائے جاتے ہیں۔ ولی نے مذہبی ،عارفانہ و متصوفانہ ،فلسفیانہ عشقیہ رباعیات کہیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں ۔

رکھ دھیان کوں ہر آن توں محبود طرف
رکھ سیس کوں ہر حال میں مسجود طرف
معدوم کوں موجوں سوں کیا نسبت ہے
اولی ہے کہ مائل ہو توں موجود طرف

دراصل ولی کے زمانے میں تصوف کا بہت رواج تھا اور ولی خود بھی فقیر اور صوفی منش انسان تھے۔ ان کے یہاں زیادہ تر رباعیات و مدت معرفت اور تصوف پر مبنی ہیں ۔

ان کے تصوف کے بارے میں مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے کہ ۔

"اس وقت محمد شاہی دور نے در و دیوار
کو دولت سے مست کر رکھا تھا جس سے تصوف کے
خیالات عام ہو رہے تھے۔ دوسرے ولی خود فقیر کے
خاندان عالی سے تھے اور فقیر ہی کے دیکھنے والے
بھی تھے۔ تیسرے زبان اردو کے والدین یعنی بھاشا
اور فارسی بھی صوفی ہیں ۔ اُن جزیوں نے انہیں
تصوف شاعرانہ میں ڈالا ۔ ا"

اس تصوف شاعرانہ کی جھلک ان کی رباعیات میں پائی جاتی ہے ۔

دل جام حقیقت مستی جو مست ہوا
ہر مست مجازی زبردست ہوا

ا ۔ آب حیات، مولانا محمد حسین آزاد، ص ۔ 87

یہ باغ وسانظر میں تنکے سوں کم

اور عرش عظیم پک تلے پست ہوا۔

نئیں نقد خزینے میں مرے غیر از داغ

جس داغ کی حسرت سوں ہو لالہ داغ

سینے میں اک غم کا مثل باندھ ہوں

ہیں آہ کے جس بیچ کئی لاکھ چراغ

وہ زلف سیہ دل کمند انداز ہوئی

اس مرغ لاپر دل کے سو جیئوں باز ہوئی

بیکس کوں ایسی کس سوں بندھے کس کوں دکھو

ناکس کے عمل کرکے سر افراز ہوئی ۔

یو مکھ کوں ترے دیکھ گلا شرم سوں جاہ

یہ جاہ زنخ کی لیے گیا یوسف جاہ ۔

تجھ نین کے جلوے کوں جو نرگس دیکھی

اس کثرت جلوہ سوں ہوئی خیرہ نگاہ ۔

فلسفیانہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

یہ ہستی مواہوم دے مجکوں سراب

پانی کے اوپر نقش ہے یہ مثل حباب

ایسے کہ اپد دلکوں نہ کر ہرگز بند ۔

آپس کوں نہ کر خراب اے خانہ خراب

نادر شاہ کے حملے کے فورا بعد ہی دکن ایک بار پھر شعراء کا مرکز بن گیا۔ شعراء نے اس دور میں علم و ادب کی طرف کافی توجہ کی اور مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ اس دور میں سراج اورنگ آبادی

اعظم، غضنفر، خاکی ایما، ناطق، قیاسی، لالہ لچھمی نرائن شفیق، برکل، عروج، آشفتہ، ہوش وغیرہ تھے۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی رباعیوں کا پتہ نہیں چلا۔ اس دور میں صرف سراج اورنگ آبادی تھے جنہوں نے غیر محمولی شہرت حاصل کی اور اردو ادب کو رباعیوں سے نوازہ۔ ان کی رباعیات میں عشقیہ، خمریہ، عقیدت مندانہ رباعیات ملتی ہیں۔

سراج کی شاعری کا آغاز ۱۹ سال کی عمر سے ہوا اور اس وقت سے وہ عشق مجازی میں گرفتار ہوگئے۔ سراج نے شروع میں عشق مجازی کے راستوں کی خاک چھانی ہے۔ کچھ عرصہ ان پر مجازی عشق طاری رہا بعد میں وہ عشق حقیقی کی طرف مائل ہوگئے۔ اس دور میں بھی ان کے شاعرانہ مزاج میں تبدیلی نہیں آئی بلکہ ان کی شوخی قائم رہی۔ یہ خمریہ رباعی اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔

تھا عین نماز میں کہ ساقی آیا
پھر ساغر مرے مقابل لایا
میں اس کو اشارے سے کہا تائب ہوں
بولا کہ شتاب پی پیا سو پایا۔

عشقیہ رباعی ملاحظہ ہو۔

اس شوخ نے اب شیوۂ تمکین لیا
آئیں جفا کا مذہب و دین لیا۔
ظالم نے ستم کیا مجھے بے کس بوجھ
ٹک آنکھ دکھا کے مرا دل چھین لیا

اس شام جدائی میں مجھے آ دیکھو
الطاف و کرم کو کار فرما دیکھو
خورشید ڈبا شفق نے لوہو میں تمام
ٹک اپنے شہید کا تماشا دیکھو۔

مغفرت کی ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

ہر آن تیرے خیال میں ہوں مشغول
یک بار نگاہ مہربانی سے نہ بھول
بندہ ہوں ترا ہمیشہ جان و دل سے
اے قادر بے نیاز کر مجکو قبول

سراج نے اپنے مرشد کے حکم سے ۱۹ سال کی عمر میں شاعری شروع کی اور ان کی ہی مرضی سے شاعری چھوڑی۔ سراج اپنے مرشد سے بہت عقیدت رکھتے تھے اس بات کا پتہ ان کی اس رباعی سے چلتا ہے۔

جس حسن کو دیکھے میں دو عالم اک ہے
اس حسن کے رخنے کا مکاں یہ جگ ہے
یہ قرص سیا نہیں مری آنکھوں میں
مرشد کے جمال کی یہی عینک ہے

سراج کو صرف ۱۲ یا ۱۳ سال شاعری کرنے کا موقع ملا ۔ اس مختصر عرصہ میں انہوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی اور ان کی رباعیات اردو ادب میں اہمیت کی حامل بنیں اور ان کی رباعیات کی اہمیت اردو رباعی کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ دکنی رباعیات زبان و بیان کے اعتبار سے شمالی ہند سے مختلف ہیں لیکن دکن کی رباعیات نے شمالی ہند کے شعراء کے لیے رباعی گوئی کے لیے راستہ ہموار کردیا ۔

شمالی ہند میں اردو شاعری کا آغاز امیر خسرو سے ہوتا ہے لیکن ان کے یہاں رباعیات نہیں ملتیں ۔

دور مغلیہ میں ایک رباعی ملتی ہے لیکن اس کے لکھنے والے کا نام نہیں معلوم ہوسکا۔ حامد حسن قادری کی کتاب " داستان تاریخ اردو "

میں لکھا ہے ۔

"

تاریخ داوٴدی میں منقول ہے کہ

جنگ پانی پت ۱۵۲۶ع میں بابر

نے سلطان ابراہیم لودی پر فتح

پائی اور اس کا سر کاٹ کر بابر

کے سامنے لایا گیا تو حاضرین میں

سے کسی نے فی البدیہہ یہ شعر

پڑھے ۔ "

نوئے اوپر تھا تبسلیا

پانی پت میں بھارت رہتا

اٹھیسیں رجب سکر وار

بابر جتیا ابراہیم ہارا ۔ ا "

اصل میں اردو شاعری کا عام رواج ولی کے آنے کے بعد ہوا اور جب ولی کا دیوان آگیا تو پھر ہر ایک اردو میں ہی شاعری کرنے لگا ۔ اس سے پہلے تفنن طبع کے لیے کوئی کوئی شاعر اردو میں کہہ لیتا تھا ۔

ا ۔ داستان تاریخ ادب اردو ، حامد حسن قادری ، ص ۔ 21

درد کی رباعیات " دیوان درد اردو " مرتبہ محمد حبیب الرحمن خاں شیروانی میں موجود ہیں۔ اس دیوان میں صرف ۳۲ رباعیات نقل کی گئی ہیں درد کی رباعیات کی تعداد زیادہ نہیں لیکن درد کی اردو رباعیات کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ درد نے مختلف موضوعات پر رباعیاں کہیں جیسے متصوفانہ رباعیات، عشقیہ رباعیات، فلسفیانہ رباعیات، خمریہ رباعیات اور اخلاقی رباعیات وغیرہ

اردو اور فارسی شاعری میں " درد " شاعر تصوف کے نام سے جانے جاتے ہیں ۔ ان کا تمام کلام غزل تصوف پر مبنی ہے۔ یہی تصوف کا رنگ ہمیں ان کی رباعیات میں بھی ملتا ہے۔ قدیم شعراء میں سے ولی کے علاوہ اور کسی نے اتنی بہترین عارفانہ رباعیات نہیں لکھیں۔ درد کی ایک عارفانہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

اے بحر علوم سب کو باری باری
ہے تجھ سے ہی اب حصول فیض باری
تا حشر تری مریدی و پیری کا ۔
جوں موج یہ سلسلہ رہے گا جاری

"درد" کے یہاں عشقیہ رباعیات بھی اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہیں۔ انہوں نے ان رباعیات میں مجازی عشق کی جگہ عشق حقیقی کو پیش کیا ہے ۔

اے درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا
یوں تجھ سے جو ضبط یک بیک چھوٹ گیا
کیا تجھ پہ مصیبت پڑی ایسی ظالم
کہہ تو سہی جی دھاکہ دل ٹوٹ گیا۔

درد کے یہاں خمریہ رباعی بہت کم ملتی ہیں ۔ وہ شاعر تصوف تھے۔ اس لیے انہوں نے شراب کا زیادہ ذکر اپنی شاعری میں نہیں کیا۔ ان کی خمریہ

رباعی ملاحظہ ہو ۔

اے درد گرچہ مے میں ہے جوش و خروش
رہتے ہیں ولے اہل تمنا خاموش ۔
موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
گرداب کی مانند جو ہیں دریا نوش ۔

درد نے فلسفیانہ رباعیات میں فلسفہ حیات و موت کو پیش کیا ہے ۔ اس کی عمدہ مثال ان کی یہ رباعی ہے۔

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینہ کب تلک پریشاں نظری ۔
اب موندلے آنکھ بس جہاں کو دیکھا

صوفی شعراء کو اخلاقیات سے تعلق خاطر رہا ہے۔ صوفی بزرگ اپنے شاگردوں کو اخلاق درست کرنے کی ہدایت کرتے رہتے ہیں ۔ اس لیے درد کے یہاں اخلاقی رباعیات بھی پائی جاتی ہیں ۔

کیا فائدہ گر باز ہے یاں دیدۂ تر
نت پردۂ چشم دل ہے کوری دگر
جوں آئینہ ہر چند کھلی آنکھ ولے
آتا ہے نظر میں عیب اپنا جوہر ۔

درد کے یہاں متزاد رباعیاں بھی پائی جاتی ہیں(دو عدد) اس دور میں اس طرح کی رباعیات کا رواج تھا۔ درد کی ایک متزاد رباعی ملاحظہ ہو۔

اے درد شب قدر ہے ہر زلف سیاہ --- کر دل سے ہے راہ !
ہر خط میں لکھی ہوئی ہیں آیات الٰہ ۔ کر ٹک تو نگاہ !
جوں آئینہ حیران ہوں میں سرتاپا --- ہے عشق گواہ !
آتا ہے نظر حسن میں جلوہ کیا کیا ۔ اللہ ! اللہ !

درد کی رباعیات کی تعداد زیادہ نہیں پھر بھی درد کی رباعیات قدیم دور میں اہمیت کی حامل ہیں ۔ درد کی عارفانہ رباعیات کا جواب نہیں ۔ درد سے پہلے صرف ولی نے ایسی رباعیاں کہیں اس وجہ سے رباعی گوئی میں ولی کو اہم درجہ حاصل ہے۔

میر سوز بھی اسی دور کے شعراء میں سے ایک ہیں لیکن انہیں وہ مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی جو درد ، سودا اور میر کو حاصل ہے۔ جیسا کہ ان کے تخلص سے ظاہر ہے ان کی غزلیات میں بہت زیادہ سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ اسی سوز و گداز کی حامل ان کی رباعیات بھی ہیں۔ ان کی رباعیات میں بے ساختگی اور شگفتگی بھی پائی جاتی ہے اور ان کی بعض رباعیات کا چوتھا مصرع بہت ہی بیساختگی کا حامل ہوتا ہے۔ میر سوز کا اصل موضوع عشق ہے۔ اس موضوع کو انہوں نے غزلوں میں تو بیان کیا ہی ہے رباعیات میں بھی بھرپور عشق کی عکاسی ملتی ہے ان کی عشقیہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

بس حملۂ عشق میں تو پامال ہوا
ٹک دیکھیو یار میرا کیا حال ہوا
لب خشک ہوئے منہ کا یہ حال ہوا
تو عشق ہوا کہ جی کا جنجال ہوا

کہتا ہوں میں جس سے آشنائی کی بات
سنتا ہے وہ مجھسے اور ملتا ہے ہاتھ
کہتا ہے یہ کیا کیا ناداں تو نے ۔
اب کیوں کہ کٹے گی سوز تیری اوقات

جو مرے عدو تھے ان سے تو پار ہوا
مجھ سے لڑنے کو اب تو تیار ہوا
رہ رہ کے مرے جی میں یہی آتا ہے
اللہ تو ہم سے ایسا بیزار ہوا ۔

اس آخری مصرع میں کتنی بیساختگی پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ طنز بھی موجود ہے اس کے علاوہ میر سوز نے اخلاقی، مذہبی، اور فلسفیانہ رباعیات بھی کہی ہیں ۔ ایک اخلاقی رباعی میں سوز نے واعظ کے کردار پر حملہ کیا ہے۔

واعظ مجھے کعبہ کی بتاتا ہے راہ
کرتا ہے صنم کدہ سے مجھکو آگاہ
میں کب مانوں ہوں ایسے شیطاں کا کہا
لاحول ولا قوتہ الا باللہ ۔

میر سوز کی مذہبی رباعی سے ان کی عقیدتمندی کا پتہ چلتا ہے انہوں نے زیادہ تو مذہبی رباعیاں نہیں کہیں ۔ ان کی ایک مذہبی رباعی ملاحظہ ہو ۔

اے امت حضرت رسول الثقلین
مانو ہو اگر دونوں جہاں کا تم چین
تو ورد کرو صبح و مسا اتنا تم
اللہ و محمد و علی و حسین

میر سوز کی رباعیات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی رباعیات میں تپش، تڑپ، اور چبھن موجود ہے ۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے ان کی رباعیات اہمیت کا درجہ رکھتی ہیں ۔

میر سوز نے فلسفیانہ رباعی میں کوئی بڑی اور نئی بات پیش نہیں

بلکہ وہی پرانا موضوع دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا ہے ان کی ایک فلسفیانہ رباعی ملاحظہ ہو -

کب آئے مدام زیست کرنے کے لیے
دن عمر کے یک چند ہیں بھرنے کے لیے
کیو روز تولد یہ کریں ہیں شادی
یہاں آوے ہے جو کوئی سو مرنے کے لیے

"سودا" اس دور کے بڑے شاعروں میں سے ہیں - سودا قصیدے کے تو شہنشاہ ہیں ہی اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے غزل بھی کہیں اور مرثیے۔ ہجویات تو بقول آزاد کے " زعفران زار کی کیاریاں ہیں۔ ان اصناف کے علاوہ قطعہ ، مخمس ، اور رباعیات بھی کہی ہیں -

سودا کے کلیات میں کل ۷۵ رباعیاں درج ہیں۔ اس کلیات کو " رام نرائن لال بینک مادھو " نے مرتب کیا ہے۔ ان کی رباعیات میں متصوفانہ ،اخلاقی ، عشقیہ ، خمریہ ،ذاتی رباعیاں،ہجویہ ،مدحیہ جیسے موضوعات ملتے ہیں -

سودا صوفی شاعر نہیں تھے لیکن اس زمانہ میں تصوف کا چلن عام تھا اس لیے سودا نے بھی متصوفانہ رباعیات کہیں جو ان کی پختگی کو ظاہر کرتی ہیں - ان کی متصوفانہ رباعی ملاحظہ ہو -

سودا کو میں پایا مئے وحدت میں مست
اس سے نہ کسی شیشۂ دل کو ہے شکست
ناقوس و اذاں سن کے یہ بولے آزاد -
اے برہمن و شیخ صد ادا عشق است۔

سودا نے اخلاقی رباعیات بھی کہیں - ایک اخلاقی رباعی ملاحظہ ہو -

کتنوں کا جہاں میں زر و مال ہے شکر
کتنوں کا ہی با دولت و اقبال ہے شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہیں لیکن سودا
شاکر ہے وہی جس کو بہر حال ہے شکر

سودا کی عشقیہ رباعی میر کے مقابلہ کی تو نہیں ہیں لیکن ان میں تاثر پایا جاتا ہے۔ بعض رباعیاں دل میں کھٹک سی پیدا کر دیتی ہیں ۔ ان کی عشقیہ رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

آیا ہوں بتنگ دور رہتے رہتے
لوگوں سے تھکا پیام کہتے کہتے
روتا ہوں کہ سیل اشک جاری ہووے
پہنچیوں میں گلی میں اس کی بہتے بہتے

سرمایۂ عیش کامرانی تو ہے
آرام دل و مونس جانی تو ہے
مرتو ہی نہ آوے تو یہ جینا کس کام
میری تو مراد زندگانی تو ہے

اس آتش خو سے یہ دل کیونکر اٹکا
جس میں کہ رہا نہ زندگی کا کھٹکا
طاقت نہیں نالہ کی اب اس کو تیرا ۔
تجھ ذکر ہوا تو کوئلہ سا چٹکا

غزل میں سودا نے خمریہ موضوعات کو بہت باندھا ہے لیکن رباعیات میں میں ان کی خمریہ رباعیوں کا فقدان ہے صرف ایک خمریہ رباعی تمام رباعیوں میں ملتی ہے۔ رباعی پیش ہے ۔

کوتاہ نہ عمر مے پرستی کیجئے

زلفوں سے تری دراز دستی کیجیے

ساقی نہ ہو جو شراب ہے آج وہ ابر

پانی پی پی کے فاقہ مستی کیجیے

چند ذاتی رباعیوں میں سودا نے خود ستائی سے کام لیا ہے اس کے علاوہ ان رباعیات کے ذریعہ اس دور کے سماجی حالات کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے سودا کی یہ رباعیاں بہت اہمیت رکھتی ہیں ۔

سودا بہ جہاں اپنی زبانی تو ہے

آفاق میں خاقانیٔ ثانی تو ہے

گو نطق کا ہرچند نہیں تو خالق ۔

پر نطق کا خلاق معانی تو ہے

کچھ رباعیاں ایسی بھی ہیں جن میں سودا نے بادشاہ وقت کو مبارک باد پیش کی ہے۔ رباعی ملاحظہ ہو ۔

اے خلق کے قبلۂ امید و آمال

شاد آج تیرے دوست ہیں دشمن پامال

تا یہیں خلعت بہاری اشچار ۔

ہو خلعت نو تجھ کو مبارک ہرسال

سودا بار بار دلی سے جانے کا قصد کرتے تھے اور خواجہ میر درد ان کو روک لیتے تھے۔ اس موقع پر سودا نے یہ رباعی کہی تھی ۔

نادیدنی از بسکہ ہے روئے عالم

ہے کفر ملاقات جو کیجیے باہم

کرتا ہوں کہیں جتنے کا جس وقت میں عزم

درد آن کے سودا میں پکڑے ہے قدم

سودا کو ہجو گوئی میں خاصی مقبولیت حاصل ہے۔ بنیادی طور پر وہ قصیدے کے شاعر ہیں اور ان کے ہجویہ قصائد نے ان کی مقبولیت میں زبردست اضافہ کیا ہے۔ وہی ہجو ان کی رباعیات میں بھی ملتی ہے۔ ان کے ہجویہ قصائد جس طرح مشہور ہوئے اسی طرح ان کی ہجویہ رباعیات اردو ادب میں ایک اہم اضافہ ہیں ۔ سودا سے پہلے مزاحیہ قسم کے خیالات رباعی میں نہیں ملتے لیکن سودا نے ہجویہ رباعیات لکھ کر اس بات کو ثابت کردیا کہ رباعی مزاحیہ خیالات کی بھی متحمل ہو سکتی ہے۔ ان کی دو ہجویہ رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

گر ہجویہ سودا کے اسے رغبت ہے
ہونے دو کہ گیدی کے تئیں رجعت ہے
موزوں نہ کرے شعر کو اپنے احمق
کرتا پھرے ہجو لوگوں کی ندرت ہے

پیٹ اپنا ہر ایک طرح سے ساجد پالے
کوا وہ چیل وہ بلبل کھالے
مینڈک چھوڑے نہ چھپکلی نے ساہا
اسکے پھرے ہیں ڈھونڈتے لڑکے بالے

سودا کی کلیات میں چار متزاد رباعیات پائی جاتی ہیں ۔ ایک رباعی بطور نمونہ ملاحظہ ہو ۔

دنیا کی طلب میں دین کھو کر بیٹھے ---- ہو کر گمراہ
کرنا تھا جو کام سو کر بیٹھے ---- اے تھل تباہ
ہے عارضی خانۂ جسم خاکی سودا ---- بے شبہہ و شک
سو مالک ہی اس کے آپ ہو کر بیٹھے ---- سبحان اللہ

دوسرے تمام شعراء کی طرح میر حسن نے بھی تمام اصناف پر قلم اٹھایا۔ انہوں نے غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، رباعی وغیرہ کہیں لیکن ان کی شہرت کی بنیاد ان کی مثنوی سحرالبیان بنی جو کہ آج بھی اردو ادب کی بہترین مثنوی شمار کی جاتی ہے۔

میر حسن نے عشقیہ رباعیات کہی ہیں لیکن ان میں عشق کی تڑپ سوز و گداز اور دھڑکن نہیں ہے۔ ان کی رباعیات میں سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے خیالات میں ندرت اور جدت بھی موجود ہے۔ داخلی خیالات کو شاعری میں سمونا ان کے بس کا روگ نہیں تھا انہیں خارجیت پر عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزل اور رباعی میں وہ فن کے اعلیٰ مقام تک پہنچ سکے جہاں ہمیں دوسرے شعراء نظر آتے ہیں ۔ مثنوی میں ان کا ثانی کوئی نہیں کیونکہ انہیں منظرنگاری کا ملکہ حاصل تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی غزلیں اور عشقیہ رباعیاں بالکل بے مزاج نہیں لیکن ان کے اندر جو بھی لطف ہے وہ انداز بیان کی دین ہے ان کی دو عشقیہ رباعی بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں ۔

دل تجھ پہ مرا جو مبتلا رہتا ہے
کوچے میں ترے ہمیشہ جا رہتا ہے
تو گرچہ نہ آوے خواب میں بھی مجھ تک
میرا تو خیال واں لگا رہتا ہے ۔

اک عمر خرابی واکم سے گزرے ۔
یعنے کہ ہمیشہ درد وغم سے گزرے
کیا شکوہ کریں حسن ہم ان کا تجھسے
وہ بھی تو مثال برق ہم سے گزرے۔

میر حسن نے روایتی انداز میں کچھ متصوفانہ رباعیات بھی کہی ہیں ۔ کیونکہ اس زمانے میں تصوف رواج عام تھا ۔ ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں سلاست اور روانی بدرجہ اتم موجود ہے ۔

از بسکہ ترے خیال سیر ہے کی راہ
جس طرف کو آنکھ اٹھا کے کرتا ہو نگاہ
تیرا ہی تصور نظر آتا ہے مجھے
کیا دل میں سمایا ہے اللہ اللہ

میر حسن کی اخلاقی رباعیات کو دیکھ کر ان کے اعلیٰ اخلاقی ذوق کا پتہ چلتا ہے ۔ ان کی دو رباعیاں اسی سلسلے کی ملاحظہ ہوں ۔

آواز فقیر جب کبھی دیتے ہیں
کب ان کے جواب یہ غنی دیتے ہیں
ایسے تو سخی ہیں اس زمانے کے امیر
کوڑی کوئی مانگے ہے تو جی دیتے ہیں

بلبل کی ہزار آشنائی دیکھی
اور کل کی کروڑ بیوفائی دیکھی
کچھ اپنا برا بھلا نہ دیکھا ناحق
اوروں کی برائی اور بھلائی دیکھی

میر حسن نے فلسفیانہ رباعیات بھی کہیں ہیں انہیں دنیا ایک قیدخانہ محسوس ہوتی ہے۔ اس بات کا اندازہ ان کی اس رباعی سے ہوتا ہے ۔

آباد رہے تو کیا ہوا دنیا میں
یا شاد رہے تو کیا ہوا دنیامیں
وارستہ ہوئے نہ قید ہستی سے حسن
تس پر یہ خرابی کہ قفس بیں میں ہے۔

میر حسن کی مذہبی قسم کی رباعیات میں واقعات کربلا کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی ان رباعیوں میں بلا کا سوز و گداز پایا جاتا ہے جو کہ اس قسم کے موضوعوں کے لیے ضروری ہے۔ ایک رباعی اس موضوع سے متعلق ملاحظہ ہو ۔

دس روز حسین کے جو ماتم میں رہا
اور آنکھوں سے اشک اس کے جو غم میں بہا
ہر قطرہ اس اشک کا جو موتی ہے پر آب
رکھتا ہے حسن وہ دونوں عالم میں ضیاء

میر حسن نے ذاتی رباعیاں زیادہ تعداد میں نہیں کہیں ۔ کچھ رباعیاں شجاع الدولہ کی وفات پر کہی ہیں ان میں سے ایک نمونتہ درج ہے

جس روز تو جہان فانی سے گیا
دل سب کا نشاط و کامرانی سے گیا
کیا زیست کا لطف اب شجاع الدولہ
تجھ بن تو مزا ہی زندگانی سے گیا

میر حسن کی سماجی رباعیاں اس زمانے کے سماج کی آئینہ دار

کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔

میر کی غزل میں جو سوز و گداز ہے ان کی غزل میں جو عشق کی تڑپ اور تپش ہے یہی سب ان کی رباعیات میں بھی موجود ہے۔ میر کی رباعیات میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو ایک اچھے رباعی گو میں ہونی چاہئیں ۔ میر نے اپنی رباعیات میں سوز و گداز پیدا کرنے کے لیے سادہ اور مترنم الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ میر کی رباعیات کی جان ان کی عشقیہ رباعیاں ہیں جس میں بڑی حد تک حقیقت مضمر ہے اس کی وجہ سے ان کی رباعیات سوز و اثر میں دوبی ہوئی ہیں اور اس حقیقت نگاری نے میر کی رباعیات کو اردو ادب میں ایک اہم مقام دیا ہے ۔

میر تقی میر مجازی عشق میں گرفتار تھے انہیں عشق کی تلقین ان کے والد نے کی تھی۔ میر کو عشق میں ناکامی ملی تھی یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام شاعری آنسوؤں میں دوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک عشقیہ رباعی ملاحظہ ہو جس میں میر نے محبوب کے ظلم و ستم کی تصویر کشی کی ہے ۔

دل تجھ پہ جلے نہ کیونکر میرا بے تاب
یاں مجھکو توقع ہے کہ لاتا ہے جواب
واں آں نے شراب پی کے مستی میں میر
کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب ۔

ایک رباعی میں میر نے اپنی حالت کو بیان کیا ہے۔ رباعی ملاحظہ ہو۔

اے میر کہاں یہ دل لگایا تو نے
شکل اپنی بگاڑ کر کڑھایا تو نے
جی میں نہ ترے حال نہ منھ پر کچھ رنگ
اپنا یہ حال کیا بنایا تو نے ۔

عشقیہ رباعیات کے علاوہ میر نے سماجی ، مذہبی ، متصوفانہ ، فلسفیانہ اور اخلاقی رباعیات لکھی ہیں ۔

میر نے دلی کو تباہ و برباد ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا انہوں نے نادرشاہ کے حملے ، مرہٹوں کے ظلم ، اور جاٹوں کی خونریزیاں دیکھیں ۔ ان تمام حالات کا اثر میر کے دل پر بہت گہرا پڑا۔ انہیں اپنے شہر دلی سے بہت محبت تھی۔ جب یہاں افراتفری پھیلی تو میر اسے برداشت نہ کر سکے اور ان کے دل سے بے ساختہ آہ نکلی۔ یہی آہ ان کی رباعیات میں نظر آتی ہے۔ میر نے حالات روزگار کے سلسلہ میں بھی بہت صعوبتیں اٹھائیں ہیں ان تمام باتوں سے ان کے دل میں درد پیدا ہو گیا جو شاعری میں جھلک اٹھا۔ ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں دلی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہ تصویر اجڑی ہوئی دلی کی ہے۔

اب شہر کی گلیوں میں جو ہم ہوتے ہیں
منھ خون جگر سے دم بہ دم دھوتے ہیں
یعنی ہر ایک جا پہ جوں ابر بہار ۔
عالم عالم جہاں جہاں روتے ہیں ۔

میر اندر دھلی ہوئی یاسیت کو ہم اس رباعی کے ذریعہ محسوس کر سکتے ہیں

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خوں نہ بہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہئیے ہیں عمر۔
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

ہیں۔ یہ رباعیاں مختلف پیشہ وروں کے لڑکوں پر کہی گئی ہیں۔ میر حسن کی سب سے عمدہ یہ ہی رباعیاں ہیں ان میں سے نمونتہ دو رباعیاں پیش ہیں نقاش پسر کی تعریف میں ۔

نقاش پسر نے رنگ و روغن دیکھا
کھویا مرا صبر ، یک قلم ہوش لیا
کیوں کر نہ رہے جی پہ مرے اسکا نقش
صد تو نہ ہے لوح دل پہ رنگ اسنے بھرا

باغباں پسر کی تعریف ۔

ہے مجھکو باغباں پسر سے یاری
دل میں مرا ہے اس کے باغ سے پھلواری
جب بیل سے کھودے ہے زمیں کو وہ گل
پانی ہوا جاتا ہے جگر پر باری۔

ان کے علاوہ " طبلچی پسر کی تعریف " اور "تیلی پسر کی تعریف " میں بھی رباعیات کہی ہیں ۔

میر حسن کی رباعیات عشق میں میر اور تصوف میں درد کے مقام پر تو نہیں پہنچ سکی ہیں ۔ آخری قسم کی رباعیاں اردو رباعیات کی دنیا میں پہلے پہل لکھی گئیں۔ اس کے بعد حسرت نے بھی اس قسم کی رباعیاں لکھیں لکین ان کی رباعیات میں اتنی دلکشی نہیں جتنی کہ میر حسن کی رباعیات میں انداز بیان کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے اور دلکشی ان رباعیات میں اظہار عشق کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

میر تقی میر دور قدیم کے صف اول کے شعراء میں سے ہیں ۔ میر تقی میر کی غزل گوئی کا تذکرہ ہر ایک نقاد کرتا ہے لیکن ان کی رباعیوں

میر نے دنیا کا بحیثیت فلسفی مطالعہ کیا ہے۔ زمانے نے انہیں اتنی پریشانیاں دیں کہ ان کی طبیعت بجھی بجھی سی رہنے لگی۔ وہ دنیا کو فانی سمجھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ مرنا ہر ایک کو برحق ہے یہ ہی خیال ان کی اس رباعی میں ملاحظہ ہو ۔

اندیشۂ مرگ سے ہے سینہ سب ریش
ٹکڑے ہے جگر جیسے لباس درویش
ہاتھوں سے جو آج ہو سکے کر لیجیے
پھر کل تو یہیں ہے ایک قیامت درپیش

میر دنیا کے ہنگاموں سے گھبرا کر دور جانا چاہتے ہیں جہاں سکون ہو یہ رباعی ان کی اسی خیال کو ظاہر کرتی ہے ملاحظہ ہو ۔

مسجد میں شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانہ میں جوش بادہ نوشاں دیکھا
اس گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا تو حجلۂ خموشاں دیکھا۔

میر نے متصوفانہ رباعیات بھی کہی ہیں اس دور میں تصوف کا رواج عام تھا میر کا دل ہنگامۂ ہستی سے دور ہو گیا اور ان کا دل ہنگامۂ دنیا سے گھبرانے لگا تو میر کے اندر محبوب حقیقی جلوہ نما ہوا۔ دوسرے تمام شعراء کی طرح انہوں نے بھی محسوس کیا کہ محبوب حقیقی کا جلوہ ہر چیز سے عیاں ہے۔ ایک متصوفانہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

اے تازہ نہال عاشقاں پامالی
یہ تو نے طرح ناز کی کیسی ڈالی
سب تجھ سے جہاں بھرا ہے پس کے اوپر
دیکھیں تو جا ہے کی تیری خالی۔

" در ذکر حلوائی "

حلوائی کا وہ طفل بہت پیارا ہے
شیریں دہنی نے اس کو مارا ہے
قد اس کا دہن ہے اور لب جب نبات
اور آپ وہ لذت میں شکر پارا ہے

حسرت نے مختلف پیشہ وروں کے بچوں سے اظہار عشق کیا ہے۔ مختلف پیشہ وروں کی عورتوں کے لیے بھی اس قسم کی رباعیاں کہی ہیں ۔ مثلاً در ذکر تنبولن ، در ذکر بساطن ، در ذکر مالن ، در ذکر دھوبن ، در ذکر تیلن ، در ذکر کمہارن ، در ذکر باورچن ، وغیرہ ایک رباعی بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے ۔

" در ذکر بساطن "

کیا بات بساطن کی ہے نیکوئی کی
رکھتی ہے بساط اس نے دل جوئی کی
نت سرمہ کسی کو دے کسی کو سوت
یہ بات نہیں ہے اس کی یکسوئی کی

حسرت نے مختلف پیشہ وروں کے لڑکوں کے اظہار عشق میں جو رباعیاں کہی ہیں وہ بہت اہم ہیں ۔ ان سے پہلے میر حسن نے بھی اس قسم کی رباعیاں کہی تھیں ۔ حسرت نے اہل حرفہ کی عورتوں سے اظہار عشق کیا ہے یہ رباعیاں حسرت کی ہر قسم کی رباعیوں پر فنی اعتبار سے بھاری ہیں یہ ایک نیا موضوع حسرت نے اردو رباعی میں باندھا اور رباعی کی دنیا میں ایک اہم موضوع کا اضافہ کردیا۔

غمگین کو بھی حسرت کی طرح وہ مرتبہ نہیں ملا جو کہ حقیقت میں ملنا چاہیے تھا۔ ان کی رباعیات کا مجموعہ " مکاشفات الامراء " ہے

میر شاعر تصوف کے ساتھ ساتھ شاعر اخلاق بھی تھے۔ انہوں نے اہل دنیا کو درس دیا اور انسان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ میر نے بلند اخلاق کی تعلیم دی اور حسن اعمال کی تلقین کی۔ ایک رباعی میں انہوں نے بتایا ہے کہ خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہئیے اور اس پر مکمل بھروسہ کرنا چاہئیے کیونکہ انسان کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ رباعی ملاحظہ ہو۔

راضی ٹک آپ کو رضا پر رکھیے

مائل دل کو تک تقنا پر رکھیے

بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا ہے میر

سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھیے

میر نے کچھ مذہبی رباعیات بھی کہی ہیں جو حمد، نعت اور ذکر حسین پر منحصر کرتی ہیں۔ میر قادرالکلام شاعر تھے اس لیے ان کی ان رباعیوں میں تاثیر پائی جاتی ہے۔ رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

"حمد"

کیا احسان ہے خلق عالم کرنا

پھر عالم ہستی میں مکرم کرنا

تھا کار کرم اے کریم مطلق۔

ناچیز کف خاک کو آدم کرنا

"نعت"

پیغمبر حق کہ حق دکھایا اس کا

معراج ہے کمترین پایہ اس کا۔

سایہ اس کے نہ تھا یہ باعث ہے کہ

کل حشر کو سب پہ ہوگا سایہ اس کا

" رثائی "

اترا تھا غریبانہ کنارے آکر

لب خشک ہوا سو نور چشم حیدر

تر حلق دم آب سے اس کا نہ ہوا

اے آب فرات خاک تیرے سر پر

میر سے قبل شعراء کے عشقیہ رباعیات اتنی اہم نہیں جتنی کہ میر کی ہیں ۔ میر غزل کے ساتھ ساتھ رباعیات کے بھی پیشرو نظر آتے ہیں۔ میر نے اردو شاعری کو عشقیہ شاعری سے تو نوازا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ عشق کی تپش،سوز و گداز، یاسیت اور غم عشق سے بھی مالامال کیا ہے۔ ناکامی عشق نے میر کے جگر کو داغ داغ کردیا اور اس کی آنچ نے ان کے دل پر گہرا اثر ڈالا ۔ ان کی شاعری میں جو کسک اور چبھن پائی جاتی ہے وہ حقیقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میر کامیاب شاعر مانے جاتے ہیں۔ ان سے پہلے بھی عشقیہ رباعیات کہی گئیں لیکن ان میں وہ سوز و گداز اور عشق کی آگ روشن دکھائی نہیں دیتی جو میر کے یہاں ہے۔ میر کے انداز شاعری نے ان کے بعد کے شعراء پر بھی اثر ڈالا اور اس کے نتیجہ میں سو سال بعد غالب جیسے شاعر میر کا مزاج لے کر پیدا ہوئے ۔

ان کا اصل نام قیام الدین تھا قائم تخلص کرتے تھے۔ قائم پہلے شاہ ہدایت کے شاگرد ہوئے اور پھر خواجہ میر درد کے بعد میں سودا کی شاگردی قبول کرلی ۔ سلام سندیلوی قائم چاندپوری کی ٦٦ رباعیاں بتاتے ہیں ۔

انہوں نے عشقیہ، متصوفانہ ، اخلاقی ، ذاتی رباعیاں کہی ہیں ۔

عشقیہ رباعیات تمام شعراء نے کہی ہیں ۔ قائم نے بھی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے عشقیہ شاعری کی ۔ ان کی عشقیہ شاعری میں میر کا سا سوز و گداز نہیں ہے لیکن ان کی عشقیہ رباعیات صاف ستھری اور رواں دواں ہیں ۔ ان کی ایک عشقیہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

تجھ بن مری اوقات جو اکثر گذری
حالت تھی کہ نزع سے بھی بدتر گذری
میں تو کبھی سرنگذست اپنی مجھ سے
میں کس سے کہوں جو کچھ مجھ پر گذری ۔

قائم بنیادی طور پر صوفی شاعر نہیں تھے لیکن کچھ رواج اور شاید کچھ میر درد کے اثر سے متصوفانہ رباعیات کہی ہیں کیونکہ قائم درد کے شاگرد رہ چکے ہیں ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

تو ہی کہ جان تھا اور تو ہی دل تھا
تو ہی تھا کہ کہیں حق تھا کہیں باطل تھا
تو ہی تھا وہ جس کو میں کہتا تھا میں ہوں
پر حیف کہ اس بھید سے میں غافل تھا ۔

قائم چاند پوری نے فلسفیانہ رباعیات بھی کہی ہیں ۔ اس میں انہوں نے فلسفۂ حیات کو پیش کیا ہے ۔ ان کی نظروں میں دنیا فانی ہے لیکن وہ موت سے نہیں ڈرتے ۔ ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں انہوں نے موت سے بے خوفی کا ذکر کیا ہے ۔

ناداں ہیں جو مرنے سے حذر کرتے ہیں

قائم نے اخلاقی رباعیات میں امراء کو غرور و تکبر سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے اور انسانی اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ دوسروں پر احسان کرنے کا بھی مشورہ دیتے ہیں ۔ اس موضوع سے متعلق ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

جس کام پہ کچھ خلل زمانے کا نہیں
احساں ہے کہ وہ بار جانے کا نہیں
جو ہوسکے آج تجھ سے کر حق میں مرے
کل کوئی کسی کے کام آنے کا نہیں

قائم نے ذاتی قسم کی رباعیاں کہیں جو اس دور کے رؤساء کے بارے میں ہیں۔ انہوں نے بسنت خاں بہادر کی تعریف میں رباعیاں کہیں جس میں درازیٔ عمر کے لیے دعا مانگی ہے ۔

یا رب تا خلق کو خرامور ہووے
پیمانہ ماہ مہر سے پر ہووے
یہ چرخ کہ ہے اہل زمیں پر حاکم
محکوم بسنت خاں بہادر ہووے۔

ناساز چمن ہے فصل گل کا آنا
مئے درد سے ہر شاخ بنا پیمانہ
مقدم سے بسنت خاں بہادر تیری
سر سبز رکھے خدا یہ دولت خانا

اسی قسم کی اور رباعیاں بھی انہوں نے کہی ہیں ۔ ان کے یہاں رباعیات میں پختگی اور گھلاوٹ ملتی ہے ان کی رباعیات میں وہ تمام موضوعات

موجود ہیں جو اس دور میں رائج تھے۔ انہوں نے موضوعات میں کوئی نئی راہ نہیں نکالی لیکن پھر بھی ان کی رباعیات تاریخی اہمیت کی حامل ہیں ۔

حسرت دہلوی جرأت کے استاد تھے۔ ان کا ایک ضخیم کلیات موجود ہے جس میں تقریباً پانچ سو سے زیادہ رباعیات موجود ہیں ۔ قدیم دور میں شاہ نمکین کے علاوہ اور کسی شاعر نے اتنی زیادہ تعداد میں رباعیات نہیں کہیں ۔

ان کی رباعیات پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے توحید مناجات ،نعت، منقبت، عشق ،اخلاق اور ہجو سماجی رباعیات کہیں ہیں ۔ حسرت نے رباعیات کے مختلف عنوانات قائم کیے ہیں ۔ یہ کام انہوں نے رواں سے علاوہ ہٹ کر کیا ۔

ان کی مذہبی رباعیات پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رسمی ہیں۔ حسرت مذہبی قسم کے آدمی نہیں تھے۔ انہوں نے رواجا یہ رباعیاں کہیں ۔ ان رباعیات میں وہ ایک شاعر مشاق نظر آتے ہیں ۔ ان کی دو مذہبی رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

" در توحید "

خواہاں جو ہوا تیری رضامندی کا
اب تھا وہ اپنے دل کی خسرمندی کا
پروا نہیں بندے کے ہمارے کے تجھے۔
اللہ رہے تیرا رتبہ خداوندی کا۔

" در مناجات "

یارب میں ہوں بندۂ گنہگار ترا
دل میرا گناہ کی طرف سے تو پھرا
گر جرم نہ بخشے تو کدھر جاؤں میں
میں بندہ ہوں ترا ہے تو خداوند مرا

حسرت دہلوی کے یہاں عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں قسم کی رباعیاں ملتی ہیں۔ حسرت نے عشقیہ رباعیات کے ساتھ ساتھ عارفانہ رباعیات بھی کہیں ہیں جبکہ حسرت کوئی صوفی شاعر نہیں تھے۔ انہوں نے رسما اس قسم کی رباعیاں کہیں ۔ عشق حقیقی سے متعلق ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

ہے یار کا حسن ہر طرف جلوہ نما
پر چاہئیے دیکھنے کو چشم بینا۔
ہر حسن کہ چشم بد رہے اس سے دور
سب کو ہے فنا مگر اس کو ہے بقاء

حسرت نے عشقیہ قسم کی رباعیات میں محبوب کے سراپے کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے در ذکر چشم و ابرو و مژہ، درذکر گوش، در ذکر بینی، در ذکر دنداں، در ذکر ساعد، در ذکر ناف، در ذکر ذانو وغیرہ قسم کی رباعیاں کہیں ہیں ۔ ان کی دو رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

ہے ناف شکم کے صفحہ پر نقش نگیں
یا چشم غزال نافۂ آہوئے چیں ۔
نے نے میں غلط کہا سند نہیں یہ سخن
یہ ناف ہے ناف خوبی روئے زمیں ۔

" در ذکر پنجہ "

پنجہ ترا مہر کے ہے پنجے کے مثال
لیکن اسے کب یہ دست قدرت فی الحال
رکھتا ہے کف دست میں یہ ماہ تمام
اور ناخن انگشت میں ہر ایک ہلال

حسرت نے عشق کی مختلف کیفیات پر بھی رباعیاں کہیں ہیں جیسے۔ در ذکر تصور، در ذکر وحشت، در ذکر انتظار وغیرہ ۔ ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

یہ در ذکر انتظار کی ہے۔

ایفا نہ ہوا وعدہ مرے دلبر کا
آہٹ رکھتا ہوں میں صدائے در کا
آیا نہ وہ اور انتظار اس کے میں
گذرا مرے جی پہ عرصہ سو محشر کا

حسرت نے کچھ مزاحیہ قسم کی بھی رباعیات کہیں ہیں جو عشقیہ رباعیات میں شمار کی جاتی ہیں جیسے " ہکلا محشوق " کی تعریف میں اور " در ذکر محشوق نابینا " ۔

ہکلا کے ترا بولنا اے شیریں لب
کیاخوب ہی میں نے اسکا سمجھا ہے سبب
ازبسکہ حلاوت ہے سخن میں تیرے ۔
کہنے میں سخن کے ہونٹ ملجاتےہیں سب

کچھ طعن سے تجھ کو نہیں کہتا واللہ
لیکن نہیں بنیش تجھے ہرگز اے ماہ
نرگس کی طرح آنکھ تری ہے شاید
کرتا نہیں عاشقوں پہ اپنے جو نگاہ

حسرت نے اخلاقی رباعیات بھی کہی ہیں ۔ ان رباعیات کے ذریعہ حسرت نے انسانی اخلاق و عادات کو سدھارنے کی کوشش کی ہے۔ اس دور کا اہم موضوع اخلاق سمجھا جاتا تھا۔ حسرت کی یہ رباعیاں بہت اہم ہیں ۔ اس موضوع کی دو رباعیاں ملاحظہ ہوں جس میں خدا کی رضاجوئی کی تلقین کی ہے دوسری در تعظیم و تواضع کے عنوان سے ہے ۔

مانند کماں خم نہ ہو کہتا ہوں میں راست

جو تہ کہ وہ سرکشی سے جوں تیر ہو راست

معلوم ہو انساں کی ہر ایک محفل میں

تعظیم و تواضع سے نشست و برخاست

ہر اک کو تجھ سے اب جدا ہے مطلب

کوئی دیکھے کسی کو وصل کا ہے مطلب

ہم وصل نہ مانگیں ہیں نہ تجھ سے دیدار

اپنا تو عیاں تیری رضا ہے مطلب ۔

حسرت نے ہجویہ رباعیات بھی کہی ہیں ۔ ہجویہ رباعیات کی محرک ان کی اپنے معاصرین سے چشمک تھی ۔ سودا نے حسرت کی ہجو لکھی اور دوسرے لوگوں نے بھی لکھی حسرت نے ان کے جواب دیے ۔ ان کی کلیات میں در ہجو مطرب، در ہجو منعم، در ہجو بخیل، اور در ہجو حکیم وغیرہ کے عنوان سے رباعیاں ملتی ہیں ۔ رباعی ملاحظہ ہو ۔

" در ہجو بخیل "

دریا پہ کرے بخیل پانی سے بند

اور ابر نہ برسے تو وہ ہووے فرسند

پایا ہو کوئی دیوے کسی مردے کو

یہ بخل سے ہووے ہے زمیں کا پیوند

ایک رباعی در ہجو دشمن کہی ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

دشمن کو نہیں تیغ تو مکا تو ہے
یہ بھی نہیں تو خاک کا بکا تو ہے
حسرت پھینک اس طرف تو نالہ و آہ
لگ جائے تو تیر ورنہ تکا تو ہے

حسرت نے سماجی قسم کی رباعیاں بھی کہی ہیں جن سے اس دور کے سماج پر روشنی پڑتی ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کی جانے والی اشیاء کے بارے میں انہوں نے بہت سی رباعیاں کہیں ہیں جیسے در تعریف قلم، در ذکر تیر و کمان، در ذکر افیون، در ذکر پتنگ، در ذکر نہوہ وغیرہ ۔ کچھ پرندو کے بارے میں رباعیاں کہی ہیں جیسے در ذکر عقاب، عقاب کی یہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

انکھیوں میں اگر تجھے نظر باندھے ہے
پرواز کروں تو مرے پر باندھے ہے
غصہ سے پیچ و تاب تو کھاتا ہے ۔
جانا میں کہ قتل پر کمر باندھے ہے۔

حسرت نے مختلف قسم کے زیورات کے بارے میں اور مختلف پیشہ وروں کے لڑکوں کے عشق میں بھی رباعیات کہی ہیں جیسے در ذکر خیاط، در ذکر عطار، در ذکر دھقاں، در ذکر صراف ، در ذکر شیشہ گر، در ذکر آتش باز در ذکر قصاب ،در ذکر حجام،در ذکر باورچی ، در ذکر مطرب وغیرہ ۔ ایک رباعی در ذکر دھقاں ملاحظہ ہو ۔

دل لے لیا جب سے طفل دھقانی کا
بھولا میں مزاج اناج اور پانی کا
بوتا پھرتا ہوں خاک میں ورنہ اشک
دیکھیں کیا پھل ہے دانہ انشانی کا

ایک رباعی در ذکر عطار ملاحظہ ہو۔

عطار پسر کہ ہے جوان قابل
ہے اس کی جدائی مجھے زہر قاتل
گالی اس منہ کے نوش دارد ہے مجھے
بوسہ ہے لب لعل کا یاقوتی دل

جس میں اٹھارہ سو رباعیاں ملتی ہیں اس کے علاوہ ۹۳ رباعیات دیوان غزلیات میں موجود ہیں۔ انہوں نے اپنی رباعیات کی شرح "مرتبہ الحقیقت" کے نام سے لکھی۔ قدما میں کسی نے بھی اتنی زیادہ تعداد میں رباعیاں نہیں کہیں۔ انہوں نے متصوفانہ، عاشقانہ، اخلاقی اور خمریہ رباعیات کہیں ہیں۔ تصوف غمگین کا محبوب ترین موضوع رہا ہے انہوں نے تمام زندگی تصوف کی منازل طے کرنے میں گذاردی۔ ان کی رباعیات میں بلا کی چبھن، تڑپ، اور تاثیر ملتی ہے جو کہ حقیقت پر مبنی ہے۔ ان کی دو متصوفانہ رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

دیکھا نہ ہو خدا کو تو انسان کو دیکھ
دیکھا نہ ہو نبی کو تو قرآن کو دیکھ۔
زاہد دیکھا نہ ہو غمگین کو تو۔
اس کی رباعیات و دیوان کو دیکھ

تشخیص مجھے ہوا نہ کچھ اپنا مزاج
جو درد کا میں اپنے کروں کوئی علاج
ہو جانا فنا مشاہدہ میں اس کے۔
غمگین انسان کی یہی ہے معراج۔

غمگین کی عشقیہ رباعیات میں حقیقی عشق کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے باوجود یہ رباعیاں پھیکی اور خشک نہیں ہیں ان میں نری شگفتگی اور بیان کی روانی پائی جاتی ہے۔ غمگین اس نظریہ کے قائل ہیں کہ عشق مجازی عشق حقیقی کا زینہ ہے اس لیے فرماتے ہیں۔

جز عشق نہیں ہے کوئی اپنا دمساز
کہنے کا نہیں کسی سے لیکن یہ راز
مت چھوڑیوں عشق کو بھی اے غمگین
گر ہو نہ حقیقی تو غنیمت ہے مجاز

ایک عشقیہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

دے مشرب عشق مجھ کو سب دینوں میں
دنیا میں رکھ ہمیشہ غمگینوں میں ۔
بس یہی دعا ہے تجھ سے غمگین کی ترے
محشر میں اٹھائیو تو مسکینوں میں

غمگین صوفی شاعر تھے اس لیے ضروری تھا کہ وہ اخلاقی رباعیاں بھی کہیں ۔ چنانچہ انہوں نے ایک سچے صوفی کی حیثیت سے انسان کو درس انسانیت بھی دیا ہے۔ ان کی یہ رباعیاں رسما نہیں بلکہ انہوں نے یہ رباعیاں اپنے مریدین کو خطاب کرکے کہی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رباعیاں دل پر اثر کرتی ہیں ۔ غمگین نے بہت سی رباعیاں غالب ان کے بھتیجے سید علی محمد نواب شاہ جی اور ان کے شاگرد سید بدرالدین کاشف اور اپنے صاحبزادگان کی ہدایت کے لیے کہی ہیں ۔ ان کی رباعیات میں اسی وجہ سے اثر پایا جاتا ہے۔ دو اخلاقی رباعیاں پیش ہیں ۔

ہے پیر مغاں سے مجھکو غمگین ارشاد
دشمن کی دشمنی سے بھی رہنا آزاد
اس کعبہ دل میں خصومت ایسی ۔
جیسے کہ حرم میں ہے کبیری الحاد

دنیا کچھ مال ہے نہ زر ہے غمگین
اچھا نہ مکاں ، نہ گھر ہے غمگین
کچھ خوب طعام ،نہ زن ہے نہ لباس
غفلت اللہ سے مگر ہے غمگین

غمگین کے خمریہ رباعیات کافی تعداد میں کہی ہیں انہوں نے رموز

الٰہی کو خمریہ انداز میں بیان کیا۔ ان کی ان رباعیات میں فارسی شعراء کا رنگ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان رباعیات میں بلا کش سرشاری ملتی ہے۔ دو خمریہ رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

اول تو پلا پلا شرابی کرنا

اور اگر نہ پیے تو اضطراب کرنا

پھر بزم شراب میں نہ دینا آنے

آخر غمگین کی یہ نہانی کرنا ۔

غمگین گر تو ہے عاقل و فرزانہ

مجنوں رہ اس پری پہ یا دیوانہ

پی جام پہ جام میرتو بھر بھر ہردم

جب تک کہ نہ بھرے عمر کا پیمانہ

فن نقطہ نظر سے غمگین کی رباعیات بہت اہمیت رکھتی ہیں یہ نہیں کہ غمگین نے تعداد میں بہت زیادہ رباعیاں کہیں ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان میں پختگی بھی پائی جاتی ہے غرض کہ ہر نقطۂ نظر سے غمگین کی رباعیاں اہمیت کی حامل ہیں اور اردو ادب میں قابل قدر اضافہ ہیں ۔

نظیر اکبرآبادی کو ان کی زندگی میں کوئی اہم مقام حاصل نہیں ہوسکا تھا ۔ ان کے بعد کے تذکرہ نویس اپنے تذکروں میں انہیں جہلاء کا شاعر کہتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں ان کے کلام کو معیاری نہیں سمجھا گیا۔ محمد حسین آزاد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے بعض اشعار " میر سے پہلو مارتے ہیں " مگر ان کو میر کے برابر مرتبہ دینے کو تیار نہیں۔ حالی بہت مشکل سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نظیر نے انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ

یہ بھی کہہ دیا کہ اس کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں ۔ دور جدید میں جب زمانے نے کروٹ لی تو نظیر کی بھی اہمیت کو تسلیم کرنا پڑا۔ نظیر اجتماعیت کے شاعر ہیں جب اجتماعیت پر لوگوں نے توجہ دی تو نظیر کی شخصیت اجاگر ہوئی ،انہوں نے شیکسپیئر، ملٹن ،ورڈس ورتھ شیلے اور کیٹس کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا۔ ان تمام شعراء کے یہاں نیچرل مضامین پوری خوبیوں کے ساتھ موجود ہیں یہی اثر نظیر نے قبول کیا اور ان کی شاعری اسی رنگ میں رنگ گئی ،قدیم شاعروں میں کسی کے یہاں بھی نیچرل شاعری نظر نہیں آتی ۔

نظیر کے کلیات میں جو ۱۹۵۱ع میں شائع ہوا اس میں ۲۲ رباعیاں بھی شامل ہیں ۔ انہوں نے عشقیہ ،خمریہ ،متصوفانہ رباعیاں لکھیں ۔ ان کے حالات زندگی پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عاشق مزاج شاعر تھے ان کے عشق کا پرتو ان کی رباعیات میں جا بجا ملتا ہے۔ انہوں نے اپنی رباعیات میں محبوب کے ناز و انداز ، عشوہ غمزہ ، ناز و نذاکت کو نہایت پر لطف انداز میں بیان کیا ہے۔ نظیر ایک حقیقت نگار شاعر تھے۔ ان کی دو عشقیہ رباعی ملاحظہ ہوں ۔

پس اس کے گئے میر جو ہم کر سینہ
دل کرنے کو اس کی چاہ کا گنجینہ
جب ہم نے کہا دیکھنے آئے ہیں تمہیں
سن کر یہ لگا دیکھنے وہ آئینہ ۔

آئینہ جو ہاتھ اس کے نے تا دیر لیا
اس دیر سے خجلت نے ہمیں گھیر لیا
جب ہم نے کہا "کیا یہی عاشق ہے میاں"
یہ سنتے ہی آئینہ سے منہ پھیر لیا۔

نظیر کو عشقیہ موضوعات سے ایک خاص لگاؤ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام عمر اسی کار خیر میں گذاری ہے۔

نظیر نے خمریہ رباعیاں بھی کہی ہیں لیکن ان کی گنتی زیادہ نہیں ان کے کلیات میں صرف ایک خمریہ رباعی ملتی ہے۔ جس میں بلا کی سرشاری اور سرمستی پائی جاتی ہے ۔

ساقی سے جو ہم نے مئے کا اک جام لیا
پیتے ہی نشہ کا یہ سر انجام لیا۔
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے
یا گر پڑے یا کسی نے سر تھام لیا

نظیر نے متصوفانہ رباعیات بھی کہی ہیں یہ ان کی آخری عمر کی دین ہیں۔ جب ان کا جوانی کا نشہ اترا تو انہوں نے عشق مجازی کو ترک کرکے عشق حقیقی سے لو لگائی اسزمانے کا ان کا کلام قابل قدر ہے۔ ان کی دو متصوفانہ رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا
مکھڑے میں عجب حسن کا نقشہ دیکھا
اک آن دکھائی ہمیں ہنس کر ایسی
جس آن میں کیا نہیں کہ کیا کیا دیکھا

مکھڑے کو جو اس کے ہم نے جاکر دیکھا
سمکھ تو نہیں یہ چھپ چھپاکر دیکھا
وہ حسن نظر پڑا کہ جس کا ہم نے
جب رات ہوئی تو مہہ کا چاکر دیکھا

رباعیات کے مقابلے میں نظیر کی نظموں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے ان کی عشقیہ رباعیاں ان کی شخصیت کی آئینہ دار ہیں ۔ ان کی رباعیات

میں ان کی زندگی کی پرچھائیاں صاف نظر آتی ہیں لیکن ان کی رباعیات میر کی رباعیات کی طرح پر سوز نہیں ہیں ۔ میر کی رباعیات میں ان کا دھڑکتا ہوا دل نظر آتا ہے۔ اصل میں دونوں کے عشق میں بنیادی فرق تھا میر ناکام عاشق اور نظیر کامیاب عاشق اسی وجہ سے بیان اور اثر میں فرق پایا جاتا ہے۔ نظیر کی رباعیات میں جوانی کا خمار ، محبت کا نشہ اور وصل کا کیف پایا جاتا ہے۔ ان کی رباعیات قلی قطب شاہ کے درجہ کی ہیں ۔ ان کی متصوفانہ رباعیات بھی کافی اہم ہیں لیکن ان میں درد کی سی وفاداری نہیں ملتی۔ ان کی رباعیات کی اصل خوبی ان کا محاکاتی انداز ہے جو شاعری کے لیے ضروری ہے۔ اس محاکاتی انداز سے شاعری حقیقت سے قریب تر ہوجاتی ہے۔ اس سے پہلے مختصرا یہ انداز قلی قطب شاہ کے یہاں ملتا ہے اور جدید شعراء میں سے جوش اور فراق کے یہاں یہی انداز ہے۔ ایک طرح سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں نظیر، جوش اور فراق کے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

شاہ نصیر اپنے زمانے کے مشہور شاعر گذرے ہیں ۔ بنیادی طور پر یہ غزل کے شاعر ہیں دوسری اصناف سخن کم ملتی ہیں " آب حیات " میں مولانا محمد حسین آزاد نے ان کی ایک رباعی نقل کی ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر ایک بار تحصیلدار سونی پت سے ملاقات کے لیے گئے اور ان کے لیے باور تحفہ کچھ رنگترے بھی لے گئے ۔ تحصیلدار نے کہا " جناب شاہ صاحب انگوروں کی تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کی طرف سے بڑا تحفہ آپ کا کلام ہے ان رنگتروں کی حسن تشبیہ میں کوئی شعر ارشاد فرمائیے۔ ا" شاہ نصیر نے فی البدیہ ایک رباعی کہی اور تحصیلدار صاحب کو سنائی

- آب حیات - محمد حسین آزاد ص - 415

اے نیر برج آسماں اقبال

ان رنگتوں پہ غور سے کیجیے خیال

یہ نذر حقیر ہو قبول خاطر

پردہ میں شفق کے ہیں گرہ بند ہلال

قدیم دور کا اختتام شاہ نصیر پر ہو جاتا ہے یہ حقیقت ہے کہ نظیر اور شاہ نصیر دور متوسط کے شاعر ہیں لیکن زبان و بیان کے لحاظ سے ان کا ذکر قدیم دور میں ہی کرنا پڑا۔ انہیں عروج دور متوسط ہی حاصل ہوا

اس دور میں تمام اصناف سخن کی طرح رباعیات کو بھی عروج ہوا اس دور کے شعراء نے رباعی کی طرف کافی توجہ دی۔ درد نے متصوفانہ رنگ کو چمکایا، سودا نے ہجویہ رباعیات کی ابتدا کی میر حسن نے مختلف پیشہ وروں کے لڑکوں سے اظہار عشق کیا، میر تقی میر نے غزل کے سوز و گداز کو رباعیات میں سمو کر اعلی رباعیات کے نمونے پیش کیے، حسرت دہلوی نے رباعیات کے عنوان مقرر کیے اور بہترین سراپا نگاری سے رباعیات میں جان ڈال دی، غمگین نے رباعیات میں فارسی انداز شاعری اور فارسی شعراء کا رنگ پیدا کیا بلحاظ تعداد ان کی رباعیاں اب تک شعراء میں سب سے زیادہ ہیں۔

ان تمام شعراء کی رباعیات میں سادگی، سلاست، روانی جزبات کی پاکیزگی، خلوص کی سچائی ملتی ہے۔ شمالی ہند میں اردو شاعری کا یہ دور تعداد کے لحاظ سے مالا مال ہے اور اس دور کی صنف رباعی نے بہ لحاظ تعداد آئیندہ زمانے کی روایت کو پیچھے چھوڑ دیا۔

ادب کی تاریخ میں کسی بھی دور کی حد بندی کرنا بہت مشکل کام ہے۔ یہی مشکل متقدمین اور متوسطین شعراء کو علاحدہ کرنے میں پیش آتی ہے کیونکہ جو شعراء دور متقدمین کے آخری ایام میں موجود تھے وہ

دور متوسطین کے ابتدائی دور میں موجود تھے لیکن وہ نو مشق شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں اس لیے ان کی علاحدہ حد بندی کردی گئی جسے ہم دور متوسط کا نام دینگے۔

اس دور میں زبان میں صفائی آئی اور زبان شستہ بھی ہوئی اسی عرصہ میں انشاءؔ نے نئے الفاظ اور تراکیب کی مدد سے اردو کا دائرہ وسیع کیا۔ دربار سے وابستہ ہونے کے بعد اس میں نوابین اور امراء کی مدح سرائی بھی ملنے لگی۔

رام بابو سکسینہ اپنی کتاب " تاریخ ادب اردو " میں لکھتے ہیں کہ

" اس دور کے شعراء نقال اور مسخرے
پہلے تھے اور شاعر بعد میں[1]"

اس کا اثر یہ ہوا کہ شعر و شاعری کا معیار گر گیا اور نوبت ٹاک گلوج تک تک پہنچ گئی۔

اسی دور میں ایک صنف سخن نے جنم لیا جیسے " ریختی " کہا گیا۔ اس کے موجد رنگین تھے۔ اس صنف میں عشق کا اظہار عورت کی طرف سے ہوتا ہے اور زبان بھی عورتوں کی استعمال کی جاتی ہے۔ اس قسم کی شاعری عیش پرست امراء کو بہت پسند آئی۔ رنگین کی تقلید میں انشاءؔ نے بھی اس قسم کی شاعری کی۔

دہلی اجڑنے کے بعد متعدد شعراء لکھنئو چلے آئے جہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ان شعراء نے ادب کی خدمت کی اور نام کمایا۔ اس لیے ان شعراء کی رباعیات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

ان میں سب سے پہلا اور اہم نام انشاء اللہ خاں انشاءؔ کا ہے

---

[1] ص - 176

جن کا شمار لکھنئو طرز کے شعراء میں کیا جاتا ہے۔

انشاء دہلی اور لکھنئو جہاں بھی رہے بادشاہ اور نوابوں کا دل بہلاتے رہے۔ زبان پر قدرت کی وجہ سے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ۔ اس لیے اسکے ساتھ ساتھ رباعیات بھی کہیں ۔

رباعی میں جن موضوعات پر اب تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی وہ موضوعات انشاء کی توجہ کا مرکز بنے۔ انہوں نے رباعیات کے موضوعات میں اضافہ ، ریختی میں رباعیاں کہہ کر کیا۔ اس کے علاوہ غیر منقوطہ ، طنزیہ ، عشقیہ اور طلب باراں کی رباعیات کہیں ۔ ان کی ایک ریختی کی رباعی ملاحظہ ہو ۔

اے بی بی ہیں شاندار بھائی تیرے
صدقہ قربان جائیے دائی تیرے۔
وہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی
بے ڈول یہ ہیں دیدہ ہوائی تیرے

انہوں نے وہی رواتی انداز میں رباعیاں کہیں اور فرسودہ مضامین عشقیہ، مذہب اور سماج کو باندھا ۔ ان کی سماجی رباعیوں کی اہمیت ہے وہ اس لیے کہ ان رباعیات سے جرأت کے ذہن کا اندازہ ہوتا ہے اور انگریزوں سے نفرت کا پتہ چلتا ہے اور انہیں حالات کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔ یہ انداز تمام رباعی گو شعراء سے علاحدہ ہے اور ان رباعیوں کی تاریخی اہمیت بھی ہے۔ ان کی ایک رباعی جس میں انہوں نے ایک انگریز کی ہجو کی ہے ملاحظہ ہو ۔

بے وجہ نہ سمجھیو یہ پڑنے والے
انگریز بڑا بول جو ناحق بولے۔
فوج ملائک نے فلک سے جرأت
مارے گوروں پہ گورے گورے گولے

مصحفی کے یہاں البتہ رباعیاں کافی تعداد میں پائی جاتی ہیں ان کے آٹھوں دیوانوں میں باالترتیب تیس ،پچاس ،بیس، پچیس، چوبیس، سات، چھ ،دو رباعیات درج ہیں۔ ان کے علاوہ بعض دوسری کتابوں میں بھی ان کی رباعیات پائی جاتی ہیں ۔ انہوں نے عشقیہ،فلسفیانہ ، ذاتی قسم کی روایتی انداز میں رباعیاں کہیں ۔ تینوں قسم کی ایک ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

ہر چند کہ ہوکے خفا جاتا ہے
اس بن کوئی عاشق سے رہا جاتا ہے
دل بستگی ہے دل کو زیبس اس سے کمال
وہ جھڑکے ہے ، یہ ساتھ لگا جاتا ہے

ہرگز نہ کھلا ہم پہ معمائے فلک
چھٹ اس کے کہ ہے تو کارفرمائے فلک
پیسے ہے ہمیں وہ آسیا کے مانند
ہم پستے ہیں ہنوز اے وائے فلک

ہر چند کہ ہم فاقوں سے جاں دیتے ہیں
تنخواہ تو کب نعیم خاں دیتے ہیں
ہے لب پہ خوشامد اور غضب کے مارے
بیٹھے ہوئے جی میں گالیاں دیتے ہیں

رنگین کی شاعری ریختی کی وجہ سے مقبول عام ہوئی۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ رنگین اس طرز شاعری کے موجد ہیں ۔ اس قسم کی شاعری

میں اظہار عشق عورت کی طرف سے ہوتا ہے اور زبان بھی عورتوں کی استعمال کی جاتی ہے۔ رنگین نے ریختی میں رباعیات بھی کہیں جن میں عورتوں کی زبان بے ساختہ نظم کی گئی ہے رباعی ملاحظہ ہو ۔

کیوں اپنے کو تیرے پیچھے ہلکان کروں
کیوں روٹھنے کا تیرے میں ارمان کروں
میں چاہ کے تم کو مفت بدنامی ہوئی
رنگین چل اور تجھکو قربان کروں ۔

انہوں نے ہجو یہ رباعیات بھی کافی تعداد میں کہی ہیں ۔ جو سجۂ رنگین میں درج ہیں ۔ ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

محرف یہ چاہتا ہے کعبہ جاکر
حج کرکے یہاں کہائے حاجی آکر
سن کر یہ مقصد اسکا رنگین نے کہا
بلی چلی حج کو لاکھ چوہے کھاکر

اسکے علاوہ ان کی تقلیدی رباعیات بھی ملتی ہیں جو فارسی شعراء کی تقلید میں ہیں ۔ امتحان رنگین میں رباعیاں موجود ہیں۔ یہ رباعی " خیام " کے طرز میں کہی ہیں ۔

غم مرنے کا کرے دمبدم کس کی بلا
اندیشۂ بیش و کم کرے کس کی بلا
ہے آخرکار سب کو مرنا رنگین ۔
آخر تو فنا ہے غم کرے کس کی بلا

ان کی رباعیاں دستیاب نہیں ہو کہ انہوں نے رباعیاں کہیں ہیں لیکن اس دور کے مرثیہ گویوں کی رباعیات سے علاحدہ کرنا اور یقینی طور پر یہ

ثابت کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ اس دور مرثیہ گویوں کی زبان و بیان اور انداز ایک ہی قسم کا ہے اور پھر رباعیات میں تخلص بھی نہیں پایا جاتا۔ جس کی وجہ سے پہچان مشکل ہے۔ اس کے علاوہ اس دور میں مضامین بھی تقریبا یکساں ہوتے تھے ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جو سلام سندیلوی نے اپنی کتاب " اردو رباعیات " میں " مجموعہ رباعیات میر انیس" کے حوالے سے درج کی ہے۔

عابد جو اٹھا کے رنج و ایذا آئے
اک شور ہوا کہ شاہ ولا آئے۔
ہمجو یہاں آئیں تو کہا صغریٰ نے
کچھ تم نے سنا ہمارے بابا آئے۔

ذوق کا شمار اساتذہ میں کیا جاتا ہے۔ ان کی مقبولیت ان کے قصائد کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے غزل پر بھی طبع آزمائی کی اور رباعیاں بھی کہیں ہیں جو صفائی اور سادگی کا مرقع ہیں لیکن ان کی رباعیات نے وہ مقام حاصل نہیں کیا جہاں کی غزل پہنچ چکی تھی۔ ان کی رباعیات میں مذہبی، عشقیہ، اخلاقی، ذاتی قسم کے موضوعات ملتے ہیں۔

دل سے میں اپنے رسول عربی کا ہوں غلام
دل کہو جاں کہو جانیں ہیں اس بات کو سب
میں حضوری میں رہوں اس کی نہ کسطرح مردم
ہے یہ مشہور مثل مال عرب پیش عرب۔

ناصحا مجھکو ملامت تو نہ کر
کس طرح میں عشق سے بیزار ہوں
بسکہ مجکو عشقبازی کا ہے ذوق
کیا کروں میں ذوق سے ناچار ہوں

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق
ہے برا وہ ہی کہ جو تجھکو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے
کیوں برا کہنے سے تو اس کے برا مانتا ہے

ذوق نے بہت کم رباعیاں کہیں ہیں۔ انہوں نے رباعیات کے میدان میں کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا ۔

غالب کے دیوان میں کل 23 رباعیاں ملی ہیں جن میں صفحہ 277 سے 280 پر اور صفحہ 321 سے 323 پر 8 رباعیاں ہیں ۔

غالب دور متوسط کے سب سے بڑے شاعر مانے جاتے ہیں ۔ انہوں نے غزلوں کے علاوہ دوسرے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے جن میں رباعیاں بھی شامل ہیں ۔ ان کی رباعیات کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ غالب نے رباعی کے میدان پر خاص توجہ دی اگر غالب رباعی پر مکمل توجہ مرکوز کرتے تو رباعی پر ہر اعتبار سے مالا مال ہو جاتی لیکن افسوس کہ اس دور کے سب سے بڑے شاعر کی توجہ رباعی کو نہ مل سکی بس واجبی سی توجہ کی حامل رہی پھر بھی غالب کی رباعیاں قابل مطالعہ ہیں ۔ ان کے یہاں مذہبی ، عشقیہ ذاتی قسم کے روایتی موضوع ملتے ہیں جن میں غالب نے کوئی خاص کمال نہیں دکھایا ۔ سبھی قسم کی رباعیوں کی ایک ایک مثال ملاحظہ ہو ۔

سامان خود و خواب کہاں سے لاؤں
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایماں ہے غالب لیکن ۔
خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں ۔

کہتے ہیں کہ ابوہ مردم آزار نہیں
عشاق کی سرش سے اسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا ۔
کیونکر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کر اسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ان سیم کے بیجو کو کوئی کیا جانے
بھیجے ہیں ارمغان شہ والا نے ۔
گن کر دیوین کے ہم دعائیں سو بار
فیروزے کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

مومن اس دور کے اہم رباعی گو کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں ۔ ذوق اور غالب نے تفنن طبع کے طور پر رباعیاں کہیں لیکن مومن نے رباعی گوئی کے سلسلے میں سنجیدگی اختیار کی اور سب سے زیادہ رباعیاں کہیں ذوق اور غالب کے مقابلے میں مضامین بھی زیادہ تعداد میں اور پر اثر ملتے ہیں ۔

مومن کی رباعیاں اتنی پر اثر نہیں جتنی کہ ان کی غزلیں ہیں لیکن پھر بھی رباعیوں میں ہمیں مومن کا دھڑکتا ہوا دل محسوس ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ نازک خیالی اور جزبہ کی گہرائی کا بھی علم ہوتا ہے ان کی رباعیاں پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مومن کو رباعیات سے خاص دلچسپی تھی ۔ انہوں نے کافی محنت سے رباعیاں کہیں جو اردو ادب میں بہت اہمیت رکھتی ہیں ۔ ان کی عشقیہ رباعیات کا جواب نہیں ۔ ان رباعیات میں مومن نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے ۔ یہ رباعیاں سوز و گداز ، لطافت بیان کا مرقع ہیں ۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے ان کے یہاں مذہبی ، عشقیہ ، اخلاقی ، خمریہ ، ذاتی قسم کی رباعیاں ملتی ہیں

وصلت میں کبھی مزا نہ پایا ہم نے
عشق اک فریب تھا کہ کھایا ہم نے
اے کاش کہ جان دل سے پہلے دیتے
جب کے یہ عبث عذاب اٹھایا ہم نے

کیا سخت تھے ابن سعد اور ابن زیاد
اولاد نبی پہ ہے ستم یہ بیداد !
فریاد امام کی کسی نے نہ سنی
اللہ سنے مقلدوں کی فریاد

یہ حکم خدا کا قطرۂ مئے کا نہ پیوں
اور مرضی جانانہ کہ پیمانہ پیوں ۔
تو بھی ہے عزیز خاطر ساقی بھی
حیران ہوں کہ پھر بادہ پیوں نہ پیوں

ناسخ کو دبستان لکھنئو کا موجد کہا جاتا ہے۔ ان کا شمار اساتذہ لکھنئو میں کیا جاتا ہے۔ اس دور کی زبان و بیان پر ناسخ کا طرز کا بہت اثر پڑا اور ان کے ہم عصر اور بعد کے شعراء نے بھی اسے قبول کرکے آگے بڑھایا۔ ان کے یہاں صرف الفاظ کی کرشمہ سازیاں ملتی ہیں جزبوں کی گہرائی کا فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری الفاظ کی بازیگری محسوس ہوتی ہے دل کی دھڑکن نہیں ۔ ناسخ کے دیوان دوم میں تقریبا ٦٤ رباعیاں موجود ہیں جن کے موضوعات مندرجہ ذیل ہیں ۔ عشقیہ، اخلاقی، فلسفیانہ، ذاتی، مذہبی وغیرہ ۔ ان کی ایک عشقیہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

یوسف کی طرح جدا ہے میرا محبوب
رو رو کہ ہوا ہوں تو مثل یعقوب
مکتوب جو آیا تو ہوا میں بیتاب
پیراہن پیچیدہ ہے گویا مکتوب ۔

احباب اگر وطن میں ہیں آسودہ
بیتاب میں غربت میں ہوں کیوں بیہودہ
غفلت ہے اگر جواب لکھنے میں رو نہیں
خامہ ہے مرا بہی پائے خواب آلودہ

اے ابن علی امام عالم ہے تو
ای شیر جری امام عالم ہے تو
ماتم ہو ترا تمام عالم میں نہ کیوں
ای سبط نبی امام عالم ہے تو۔

ناسخ کے کئی شاگرد بھی تھے جنھوں نے رباعی پر طبع آزمائی کی جیسے سحر لکھنوی، اور میر شکوہ آبادی وغیرہ زیادہ مشہور ہوئے۔ بحر کے دیوان "ریاض البحر" میں تیس رباعیاں ملتی ہیں ۔ انہوں نے عشقیہ، فلسفیانہ اخلاقی قسم کی رباعیات کہیں لیکن ان کی اخلاقی رباعی کافی اہمیت کی حامل ہیں، اخلاقی رباعیات میں انہوں نے تمام عالم کو صبر ، قناعت بیداری ، نیک خصلت کا درس دیا ہے۔ ان کی ایک رباعی جس میں انہوں نے قناعت پر زور دیا ہے ملاحظہ ہو ۔

قلت بھی جو ہو شکر بکثرت کیجیے
ہرگز کس و ناکس کی نہ منت کیجیے
ہر بیٹھے گرچہ ایک دانہ بھی نہ ملے
اے بحر صدف دار قناعت کیجیے۔

میر شکوہ آبادی کی ذاتی رباعیاں اہم ہیں کیونکہ اس میں ان کی زندگی کے پہلوؤں کی جھلک ملتی ہے۔ منیر کو قتل کی سازش میں سزا ہو گئی تھی۔ اس دوران اسیری کی رباعیاں کافی دردناک ہیں ۔ دوران اسیری میں لکھی گئی کچھ رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

غربت میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا
زہر غربت شکر فروشوں کو ملا
جب لخت جگر کھاکے لگی پیاس منیر
کالا پانی سفید پوشوں کو ملا

زنداں میں تو ہم اسیر و مجہول آئے
کس طرح سے نیند حسب معمول آئے
گھر سے نکلے جو بے حواسی میں منیر
خواب راحت پلنگ پر بھول آئے

ان کے زمانے میں قحط پڑا تھا اور منیر روزہ رکھتے تھے اس وقت جو انہوں نے سماجی قسم کی رباعیاں کہی ہیں وہ بہت زیادہ اہم ہیں ان کی سماجی رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

ہے قحط میں فکر قوت اس پر روزہ
شب بھر فاقہ ہے اب کی دن بھر روزہ
دیتا نہیں ابر رحمت اک جرعۂ آب ۔
افطار کرے زمیں کیونکر روزہ

ہے دشمن جاں نرخ گران گندم
سب ڈھونڈتے پھرتے ہیں نشان گندم
خورشید فلک اگر جزیا جائے
بدلے ابھی قرض زر سے نان گندم

اس دور کے مشہور شاعر آتش نے رباعیاں نہیں کہیں ۔ آتش کے کلیات میں کوئی رباعی نہیں ملتی مگر آتش کے شاگردوں کے رباعیاں دستیاب ہیں جیسے رند لکھنوی، صبا لکھنوی، ۔ رند کی صرف پندرہ رباعیاں ملتی ہیں اور صبا کی تین۔ انہوں نے رباعیات کے میدان میں کوئی اہم کارنامہ انجام نہیں دیا۔

نواب واجد علی شاہ اختر اپنے زمانے کے مشہور شاعر گزرے ہیں ۔ انہوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، کے ساتھ ساتھ رباعیات پر بھی طبع آزمائی کی لیکن ان کی رباعیات زیادہ تر رثائی ہیں ۔ ان کی رثائی رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

عباس نے نہر پر نہ پایا پانی
چلو میں بھرا مگر نہ آیا پانی
اے صاحب غیرت یہ شجاعت ہے واہ
اس پیاس میں صبر کا ہوا زہرا پانی

مقتل میں حسین کا رسالا نہ رہا
کوفی کا وہ شاہ دیں کا پالا نہ رہا
میدان میں جاکے جب شہادت پائی
اکبر کا کوئی اٹھانے والا نہ رہا

اسیر لکھنوی نواب واجد علی شاہ کے استاد تھے یہ کثیرالتصنیف شاعر گزرے ہیں ان کے "دیوان اسیر" میں رباعیاں موجود ہیں لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں ۔ ان کی صرف ۱۱ رباعیاں ملتی ہیں ۔ ان کی رباعیاں سب سے اہم ہیں ۔ ان کی رباعیات میں سوز و گداز موجود ہے ملاحظہ ہو ۔

افسوس پیش ظلم کے پانی پانی
اور پائے نہ فاطمہ کا جانی پانی
لکھا ہے جو کتا تھا گلا خشک سے
آوازیہ آتی تھی کہ پانی پانی ۔

امانت لکھنوی مرثیہ گو اور غزل گو کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ امانت کی شہرت کا دار و مدار ان کے درامہ " اندر سبھا" کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ رباعیات بھی کہیں۔ ان کے دیوان میں صرف بیس رباعیاں ملتی ہیں۔ امانت نے اخلاقی اور ذاتی قسم کی رباعیاں کہیں۔ انہیں زبان اور بیان پر پورا عبور حاصل ہے۔ واجد علی شاہ کے دربار سے وابستگی کی بناء پر ان کے دشمن پیدا ہوگئے تھے جو امانت سے ضد کرتے تھے۔ انہیں کو ملامت کرنے کے لیے ذاتی رباعیاں لکھیں۔ ان کی اخلاقی اور ذاتی رباعیوں کی ایک ایک مثال ملاحظہ ہو ۔

ذی علم ہوا کہ صاحب صد ہوا
سر جس نے اٹھایا وہی بے قدر ہوا
تحصیل کمال کی تواضع ہے دلیل
گردن جو مہ نو کی جھکی بدر ہوا

حاسد کے حسد سے کب جگر چاک نہیں
باطن کی صفائی تہ خاک نہیں ۔
دیکھا نہ کسی دل کو کدورت سے بری
ان شیشوں میں مٹی کے سوا خاک نہیں ۔

قلق کا شمار لکھنؤ کے اچھے شعراء میں کیا جاتا ہے لیکن ان کے کلام میں لکھنویت نظر آتی ہے۔ ان کا کلام تصنع اور آورد کا مظہر ہے جو لکھنؤ کا خاص انداز تھا۔ انہوں نے تقریباً تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ ان کے کلیات میں تمام اصناف کے ساتھ رباعیات بھی پائی جاتی ہیں

ان کا کلیات " گلستان نازک خیال " ہے جس میں ۱۶۲ رباعیاں ملتی ہیں ان کے یہاں موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔ عشقیہ، فلسفیانہ، اخلاقی، مذہبی، ذاتی رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی رثائی رباعیاں کافی اہم ہے۔ یہ ہی ان کا خاص کارنامہ ہے۔ ان کی رباعیاں لکھنئو کی پختہ زبان کا نمونہ ہیں ۔ ان کی ایک رثائی رباعی ملاحظہ ہو۔

ہے دوستیٔ آل عبا رونے سے
ہے درجۂ والائے ولا رونے سے
تو دل کا غبار اپنے قلق رو کے نکال
یہ آئینہ ہوتا ہے صفا رونے سے

ایک عشقیہ رباعی ملاحظہ ہو۔

مجھ کو شب غم اے دل غم خوار نہ چھیڑ
رہنے دے بس اب قصہ اغیار نہ چھیڑ ۔
داغوں سے ہے سینہ اشک بال طاؤس ۔
اے رشک نہ لے چٹکیاں ہر بار نہ چھیڑ

ان کی رثائی رباعیاں ہی بہتر ہیں ان کے علاوہ کسی قسم کی رباعیاں میں کوئی خاص گہرائی نہیں پائی جاتی۔ ان کی اور تمام رباعیاں سپاٹ ہیں صرف رثائی رباعیوں کی بناء پر قلق اہم رباعی گو نہیں کہے جاسکتے۔

لکھنئو میں جب کوئی اچھا غزل گو نہ رہا تب مرثیہ گو شعراء کے عروج پانے کا سنہرا موقعہ ہاتھ لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہان اودھ مرثیہ گو شعراء کی سرپرستی کرتے تھے۔

مرثیہ پڑھنے سے پہلے چند رباعیاں اور سلام پڑھنے کا رواج عام تھا۔ اس طرح تمام مرثیہ گو شعراء کے یہاں رباعیات کا ڈھیر جمع ہوگیا ۔ ان میں انیس کی رباعیاں خاص طور پر اہمیت کی حامل ہیں اور دبیر کی رباعیوں کو بھی کافی شہرت ملی ۔

میر انیس کی رباعیاں تعداد اور فن کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں ۔ ان کی رباعیات میں وہی فصاحت و بلاغت ،نشست الفاظ ،جدت بیانی پائی جاتی ہے جو ہمیں مرثیوں میں نظر آتی ہے۔

غزل گو شعراء کی طرح انہوں نے رباعی کی طرف سے راہ روی نہیں برتی بلکہ مرثیہ کی طرح انہوں نے رباعی کو بھی سینے سے لگایا ۔ ان کی رباعیات میں وہ تمام موضوعات پائے جاتے ہیں جو فارسی رباعی گو شعراء نے نظم کیے ہیں ۔ ان کے یہاں اخلاقی ،ذاتی ،فلسفیانہ اور مذہبی رباعیاں پائی جاتی آخری قسم کی رباعیوں میں حمد ، نعت، منقبت اور رثائی قسم کی رباعیاں ملتی ہیں ۔

انیس کی رثائی رباعیاں اردو ادب میں ایک اہم اضافہ ہیں ۔ اس سے پہلے بھی رثائی رباعیاں ملتی ہیں جیسے میر، میر حسن ، مومن وغیرہ کے یہاں لیکن ان لوگوں نے خاص طور پر ان رباعیات کو نہیں کہا بلکہ روایتی اور ضمنی طور پر برتا ۔ اس کے برخلاف انیس نے اس موضوع سے ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور کافی تعداد میں صرف رثائی رباعیاں کہیں ۔ دوسری قسم کی رباعیوں کو اگر علاحدہ کر دیا جائے تو انیس کی شہرت اور مقبولیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا ۔ اس کے علاوہ دوسرے موضوعات سے متعلق رباعیاں بھی اہمیت رکھتی ہیں ۔ سبھی قسم کی ایک ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

ہے مملکت جسم میں شاہی دل کی

کچھ تو نے نہ دوستی نباہی دل کی

بعد اس کے دغائے ہو سپیدی کرنا۔

پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی ۔

کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے

پتھر پہ یہ دگدگ پڑیں تو پانی ہوجائے

اسلام جو شربت درد ہوئے میرا۔

خورشید کا رنگ زعفرانی ہو جائے۔

جو شے ہے فنا اسے بقا سمجھا ہے

جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے

ہے بحر جہاں میں عمر مانند حباب

غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے۔

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں

یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں

ہرجا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے

حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

یا ختم رسل مست مئے الفت ہیں

قدموں کی قسم کہ عاشقے صورت ہیں

دیکھا جو حضور کو خدا کو دیکھا

اس وجہ سے ہم بھی قائل رویت ہیں

دم الفت حیدر کا جو بھرتا ہوں میں
حال آتا ہے دل کو وجد کرتا ہوں میں
ممکن ہیں کہاں صفات ہمنام خدا ۔
کیا آگے کہوں خدا سے ڈرتا ہوں میں

شہہ کہتے تھے اللہ کا پیادہ ہوں میں
عرش اعظم کا گوشوارا ہوں میں ۔
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
اے شکر شام وہ ستارا ہوں میں ۔

تلواروں سے جسم شہہ دیں چور ہوا
تیروں سے بدن خانۂ زنبور ہوا ۔
ہر چند کہ تھی کمر میں شمشیر دو دم
امت کا مگر قتل نہ منظور ہوا ۔

ہے آج وہ دن کہ انبیاء روتے ہیں
گردہ نیہ ملک افلاک سے منہ دھوتے ہیں
دنیا سے محمد کا وصی اٹھتا ہے
بن باپ کے سبطین نبی ہوتے ہیں

مرزا دبیر کا نام میر انیس سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ مرزا دبیر میر انیس کے ہم عصر شعراء میں سے تھے۔ بلکہ اس وقت کا لکھنئو اور دونوں شعرا کے نام سے ہٹ کر دو فرقوں میں بندھ گیا تھا ۔ ایک فرقے والے انیس سے اور دوسرے فرقے والے دبیر سے کہلائے جانے لگے۔ ان دونوں

فرقوں میں ہمیشہ چشمک چلتی تھی ۔ مرزا دبیر نے انیس کی ہی طرح اخلاقی ذاتی، سماجی، فلسفیانہ، اور مذہبی رباعیات کہی ہیں۔ مذہبی رباعیات میں حمد، نعت، منقبت، معتقدات اور رثائی رباعیاں کہی ہیں ۔ اس کے علاوہ مرزا دبیر نے شاعرانہ صناعی سے بھی کام لیا ہے انہوں نے کچھ ایسی رباعیاں لکھی ہیں جن کے ہر لفظ میں نقطہ پایا جاتا ہے اور چند رباعیاں ایسی بھی کہی ہیں جن میں کوئی نقطہ نہیں ملتا ۔ اس طرح کی رباعیوں کو پڑھ کر تصنع کا احساس ہوتا ہے۔

ان کی رثائی رباعیاں سب سے اہم ہیں۔ ان میں رنج و غم کی شدت نے کافی اثر پیدا کردیا۔ مرزا دبیر سے پہلے رثائی رباعیاں صرف انیس کے یہاں ملتی ہیں ۔ انیس سے پہلے بھی رثائی رباعیاں کہی گئی صرف ضمنی طور پر باقاعدہ کسی نے نہیں کہیں ۔ رثائی رباعیوں کو جن شعراء نے اعلیٰ مقام پر پہنچایا ان میں میر انیس اور دبیر کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ہر قسم کی ایک ایک رباعی ملاحظہ ہو :

جو چاہیں بزرگوار ارشاد کریں
ہم کس لیے گھر کا برباد کریں
اس واسطے بھولا ہوں بدی سب کی دبیر
مرجاؤں تو نیکی سے مجھے یاد کریں

شیران مضامیں کا کہاں بند کروں
کیا طبع کا دریائے رواں بند کروں
خلاق مضامین تو سبھی ہیں لیکن
کھل جائے حقیقت تو زباں بند کروں

MAULANA AZAD LIBRARY
ACC No.
DS 2305
Aligarh Muslim University, Aligarh

دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا
کس کس کانہ/ہاں ہم نے زمانہ دیکھا

برسوں رہا جن کے سر پہ زریں
تربت پہ نہان کی شامیانہ دیکھا

دنیا زنداں ہے جائے آرام نہیں
گہوارہ بجز گردش ایام نہیں
آنکھوں میں سپیدی و سیاہی کی طرح
جھپکی جو پلک صبح نہیں شام نہیں

یا رب خلاق ماہ و ماہی تو ہے
بخشندۂ تاج و محبت شاہی تو ہے
بے منت و بے سوال و بے استحقاق
دیتا ہے جو سب کو یا الٰہی تو ہے

تسلیم نبی کو ہر سلیماں خم ہے
خاتم ہے لقب زہر نگیں عالم ہے
سائے کی سیاہی نہ رہے کیونکر دور
جانم ہے مگر نور کی یہ خانم ہے

کیا قیامت زہراؑ و علی زیبا ہیں
ایمان کے گویا دو الف یکجا ہیں
ان دونوں کے فرزند ہیں گیارہ معصوم
جیسے دو الف سے یازدہ پیدا ہیں

اشک غم شبیر در یکتا ہے
خر دیدہ حق بیں سے یہ در پیدا ہے
بے اشک عزا آبروئے چشم ہے خاک ۔
پانی نہ ہو جس میں وہ کنواں اندھا ہے۔

گر اس پہ غبار غم سرور بیٹھے
اغلب ہے ابھی فلک زمیں پر بیٹھے
حقا کہ گراں ہے سخن قتل حسین
اس ذکر میں آواز نہ کیونکر بیٹھے

گر مہر امام دوسرا حاصل ہو
گو درد ہو لادوا، دوا حاصل ہو
اس دم ہو مددگار گر احمد کا لال
واللہ کہ در مدعا حاصل ہو

جب بخت بن قیس نے زینت بخشی
زیست نے تشفی تب یہ شفت بخشی
تنفس، جزتن، جبیں شق، جی بیچین
جنت بخشی نبی نے جنت بخشی ۔

انیس اور دبیر کے ہی دور میں عشق لکھنوی اور تعشق لکھنوی گزرے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ مرثیہ گو شعراء تھے لیکن انہوں نے رباعیات بھی کہی ہیں ۔ روائیتی انداز میں انہوں نے رباعیات کے میدان میں کوئی خاص کرشمہ انجام نہیں دیا ۔

ان کے علاوہ اوج بھی رباعی گو گزرے ہیں جو دبیر کے بیٹے تھے

ان کے مرثیوں کے مجموعہ میں رباعیاں ملتی ہیں لیکن انہوں نے بھی رباعی کے میدان میں کوئی اہم کارنامہ انجام نہیں دیا بلکہ مرثیہ سے پہلے رباعیاں کہنے کا رواج تھا اسے برقرار رکھا اور ضرورتاً رباعیاں کہیں ۔ اس دور میں مرثیہ گو شعراء نے رباعی کے میدان میں کرشمے دکھائے۔ غزل گو شعراء اور قصیدہ گو شعراء نے رباعی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی ۔ رباعی گو شعراء میں خاص طور پر انیس اور دبیر کا نام لیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے رباعی کو بام عروج پر پہنچا دیا ۔ زبان و بیان فن اور مضامین کے اعتبار سے جو خامیاں اور کمزوریاں رہ گئی تھیں انہیں دور کیا، مضامین کو وسعت دی، ان سے پہلے چند لوگوں نے رثائی رباعیاں کہیں لیکن ضمناً ان دونوں شعراء نے رباعی پر بھرپور توجہ دی اور اسے اس مقام پر پہنچا دیا جس پر وہ ابتک نہیں تھی۔ غرض اس دور میں جتنی بھی کامیاب رباعیاں لکھی گئیں وہ مرثیہ گو شعراء کی دین ہیں ۔

اس دور میں رباعی نے کوئی خاص ترقی نہیں کی بس کی روایت کو اس دور کے شعراء نے برقرار رکھا اور مرثیہ گو شعراء نے موضوعات میں اضافہ کیا۔ یوں تو رنگین اور انشاء نے ریختی کی رباعیاں کہیں لیکن انہوں نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا۔ اس دور کی کامیابی کا سہرا مرثیہ گو شعراء کے سر باندھا جا سکتا ہے۔

حکومت چھن جانے کے بعد جب واجد علی شاہ کو ترک وطن کرکے کلکتہ جانا پڑا تو لکھنؤ ادبی طور سے ختم ہوگیا۔ شعر و شاعری کی محفلیں سونی ہوگئیں ۔ شعراء تتر بتر ہوگئے۔ کچھ رام پور کچھ کلکتہ اور کچھ حیدرآباد چلے گئے۔ زیادہ تر شعراء رام پور گئے کیونکہ رام پور قریب تھا۔ حیدرآباد کے مقابلے میں رام پور میں شعراء کی قدر و منزلت زیادہ ہوئی اور نواب یوسف علی خاں نے انہیں اپنے برابر سمجھا اپنا

ملازم نہیں ۔ اس کے علاوہ بعض شعراء عظیم آباد ، فرخ آباد ، مرشدآباد اور فیض آباد کی طرف بھی گئے ۔

امیر مینائی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے تمام اصناف سخن کے ساتھ ساتھ رباعی پر بھی طبع آزمائی کی ۔ انہوں نے عارفانہ فلسفیانہ، اخلاقی ، ذاتی ، سماجی اور عشقیہ قسم کی رباعیاں کہیں ہیں جن میں ان کی غزلوں کی سی روانی اور تاثیر ملتی ہے۔ ان کی ایک عشقیہ اور ایک عارفانہ رباعی ملاحظہ ہو ۔

اے جان جہاں یہ بیوفائی ہم سے
اغیار سے اخلاص رکھائی ہم سے
بیگانہ روش بیٹھے ہو اس طرح الگ
گویا نہ کبھی تھی آشنائی ہم سے

پہنچے جو ترے در پہ وہ ممتاز ہوئے
رکھا جو قدم سر پہ سرفراز ہو ئے
یہ کعبہ کہاں اور کہاں ہم مجرم
سامان یہ قدرت سے خدا سا ہو ئے

امیر مینائی صوفی شاعر نہیں تھے لیکن صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے انہوں نے خاندانی روایت کو برقرار رکھا۔ ان کی عارفانہ رباعیات میں صداقت ملتی ہے ۔

دہلی کی بربادی کے بعد داغ رام پور پہنچے اور وہاں کے نواب کے انتقال کے بعد انہوں نے حیدرآباد کا رخ کیا وہاں ان کی

خوب قدر و منزلت ہوئی اور پندرہ سو روپیے تنخواہ مقرر ہوئی۔ یہ زمانہ ان کے عروج کا زمانہ تھا۔ انہوں نے چار دیوان چھوڑے ہیں۔ چاروں دیوانوں میں رباعیات ملتی ہیں ۔ انہوں نے عشقیہ، اخلاقی، فلسفیانہ، ذاتی رباعیاں کہیں ۔ داغ عاشق مزاج شاعر تھے ان کی رباعیات سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

کہتے نہ تھے عشق بت خود کام کرو
پہلے ہی سے اندیشۂ انجام کرو۔
بیتابیٔ دل کی ہے شکایت ناحق ۔
اے داغ بس اب قبر میں آرام کرو

نواب نے کی جو قدر دانی میری
اے داغ گزر گئی جوانی میری
لیکن یہ خبر نہ تھی کہ وقت پیری
مر مر کے کٹے گی زندگانی میری۔

تسلیم بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں ۔ غزل کے ساتھ ساتھ مرثیہ، قصیدہ اور رباعی پر بھی طبع آزمائی کی۔ ان کی غزلوں اور رباعیوں میں بیان کی پختگی اور سوز و گداز ملتا ہے۔ ان کے انداز بیان میں لکھنوی رنگ نہیں ہے۔ خود تو یہ لکھنؤ کے تھے لیکن ان کے استاد نسیم دہلوی تھے۔ اس کا اثر ان کی شاعری پر ضرور پڑا۔ انہوں نے اپنا ایک دیوان " نظم دل افروز" یادگار چھوڑا ہے ان کی رباعی ملاحظہ ہو ۔

گل برگ نہ تھے شاد جو دم بھر ہوتے
شبنم بھی نہ تھے داغ جو رو کر دھوتے
قسمت نے بنایا تھا لب و چشم و حباب
کیا حال پر اپنے کبھی ہنستے روتے ۔

آسی ایک صوفی منش شاعر تھے یہ غازی پور کے رہنے والے تھے وھیں سے انہوں نے اپنی شاعری کی ابتدا کی۔ انہوں نے عارفانہ، متصوفانہ عشقیہ اور اخلاقی رباعیاں کہیں ۔ ان کا زمانہ داغ اور امیر کا زمانہ تھا۔ انہوں نے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی اور اپنے ھجرے میں ھی متصوفانہ اور اخلاقی شاعری کرکے مریدین کے اخلاق کو درست کرنے کی کوشش کی ۔ وحدانیت کی شمع روشن کرکے نیک تعلیمات سے نوازہ ان کی رباعیات میں حق و معرفت کی عکاسی نظر آئی جس سے ان کی پاکیزہ اور صوفیانہ زندگی کا پتہ چلتا ھے۔ ان کی رباعیات میں خلوص کی صداقت ، معرفت کا نور اور خدا کی وحدت جلوہ گر نظر آتی ھے جس سے ان کے پختہ مشق ھونے کا ثبوت ملتا ھے۔ ان رباعیات سے ان کے عقائد اور مذھبی گہرائی و مسلک کا بھی اندازہ ھوتا ھے۔ ان کے لہجہ میں ھمیں تڑپ ، سوز و گداز اور پاکیزگی ملتی ھے جو ان کی پاکیزہ زندگی کی آئینہ دار ھے ۔

انہوں نے دنیا کی بے ثباتی اور دنیا وی عشق پر بھی اظہار خیال کیا ھے جس میں وہ کامیاب رھے ھیں ۔ ان کی رباعیاں ملاحظہ ھوں ۔

وحدت جسے کہتے ھو وھی کثرت ھے
کثرت جسے کہتے ھو وھی وحدت ھے
واصل ھے نہ موصول نہ گنجائش وصل۔
محفل ھے نہ خلوت ھے عجب صورت ھے

اے جوش جنوں کہیں نہ دم بھر ٹھہرے
صحرا میں کبھی نہ اس کے در پر ٹھہرے۔
پارے کی طرح ھے بیقراری اپنی ۔
ٹھہرے بھی اگر کہیں تو مر کر ٹھہرے

کیا فائدہ بار سرکشی دھونے کا
کیا مثل حباب آبرو کھونے کا۔
آسی یہ فروتنی وہ شے ہے کہ ہلال
بالائے فلک ہے سرنگوں ہونے کا۔

آسی کے دم سے تصوف کا چراغ روشن رہا ان کے بعد معرفت کی لو ٹمٹمانے لگی پھر کوئی پائے کا صوفی رباعی گو اس دور میں نظر نہیں آتا۔ اس لیے آسی اپنے دور کے اہم صوفی شاعر ہیں۔

اس دور میں روایت کو برقرار رکھتے ہوئے مرثیہ گو شعراء نے بھی رباعیاں کہیں۔ مرثیہ گو شعراء مونس، میر نفیس، عارف، جلیس، سید مرزا انس، احمد مرزا صابر اور ایک مشہور نام پیارے صاحب رشید کا ہے جنہیں رباعی گو شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں اگر کسی کو بحیثیت رباعی گو شہرت ملی تو وہیں رشید دیگر شعراء نے صرف رواج کے مطابق رباعیاں کہیں کیونکہ مرثیہ سے پہلے رباعیاں پڑھی جاتی تھیں۔ باقاعدہ کسی نے بھی رباعی پر طبع آزمائی نہیں کی۔

پیارے صاحب رشید نے رباعی میں ایک خاص موضوع کو لیا ہے وہ ہے "پیری" اس ایک موضوع کے ساتھ انہوں نے رباعیاں کہیں ہیں گو کہ اس موضوع پر ہمیں درد، میر، انیس، دبیر کے یہاں بھی رباعیاں مل جاتی ہیں لیکن جو نقش دیرپا رشید کے یہاں ہیں کہیں نہیں ملتے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اور موضوعات بھی لیے ہیں لیکن ان کا خاص اور محبوب موضوع "پیری" ہے۔ جس پر ان کی اہم رباعیاں کا دار و مدار ہے۔ اسی قسم کی رباعیات پر انہیں شہرت ملی ہے۔ انہوں نے مذہبی، اخلاقی، فلسفیانہ، ذاتی قسم کی رباعیاں کہی ہیں۔ فلسفیانہ قسم کی رباعیوں میں انہوں نے

پیری سے متعلق رباعیاں کہی ہیں ۔ یہی رباعیاں ان کی شہرت کی ضامن بنیں ۔ مذہبی رباعیات میں ان کی رثائی رباعیاں اور فلسفیانہ رباعیوں میں پیری کی رباعیاں اہم ہیں ۔ ان کی سبھی قسم کی ایک ایک رباعی ملاحظہ ہو

کیا غم ہے اگر نہ مال پایا میں نے
قرب شہ خوش خصال پایا میں نے
ہوں اہل دول سے بیش حصہ بڑھکے
مال ان کو ملا کمال پایا میں نے

پیری میں خمیدہ کر دیا ہے تو نے
ظالم کیا ستم کیا ہے تو نے
سیدھا ہونے دے ابتو اے پیرفلک
اپنا سا مجھے بنا لیا ہے تو نے

دل کو صفت عجز سے موصوف کیا
ایسا سوئے انکسار مصروف کیا
اپنا بھی مقابلہ نہیں کرتا میں
اب آئینہ دیکھنا موقوف کیا

بسکہ ہیں کی آسمان کے تارے ہیں
کہتی ہے سفیدی ان کی مہ پارے ہیں
کلکتہ سے لکھنئو تک آئے ہیں رشید
یہ بھی ثابت ہوا کہ سیارے ہیں

رشید ایک اہم مرثیہ گو کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں انہوں نے اپنی شاعری غزل سے شروع کی لیکن انیس کے بعد مرثیہ نگاری کے میدان میں قدم

رکھا اور نام کمایا پھر مرثیہ کے ساتھ ساتھ رباعیاں بھی کہیں اور خوب کہیں ۔ ان کا زمانہ حالی اور اکبر کا زمانہ ہے لیکن یہ اپنے ہم عصروں میں علاحدہ نظر آتے ہیں ۔ حالی اکبر نئی تبدیلیوں سے متاثر نظر آتے ہیں لیکن رشید پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ صرف اہل بیت کی مدح سرائی میں لگے رہے۔ زمانے نے کروٹ بدلی لیکن ان کے اوپر کوئی اثر نہ ہوا۔ ان کی شاعری بدلتے ہوئے حالات سے بالکل متاثر نہیں ہوئی بلکہ اس تبدیلی نے بھی ان کی شاعری کے انداز کو مدھم نہیں کیا کیونکہ ان کی شاعری انسانی جزبات اور صداقت پر مبنی تھی۔ ان کی رباعیوں کا انقلاب جزبات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ ان کی رباعیات انسان کے دل میں اثر کرنے والی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ بدلتے ہوئے حالات نے ان پر کچھ اثر نہیں کیا ۔

رشید صاحب کے بعد موئدب لکھنوی کے پیری کی رباعیات کہیں ان کے یہاں رشید کا انداز جھلکتا ہے کیونکہ انہوں نے اصلاح رشید صاحب سے لی تھی۔ جس طرح رشید صاحب نے پیری کی تصویر کشی کی ہے وہی انداز موٴدب کا ہے۔ انہوں نے مرثیہ گوئی میں بھی بہت شہرت حاصل کی ان کے یہاں رشید کاسا سوز و گداز اور سلاست و روانی ملتی ہے جس کا اندازہ ہم ان کی اس رباعی سے لگا سکتے ہیں ۔

پیری میں سب آثار فنا پاتے ہیں
دل ہل رہا ہے پاوٴں بھی تھراتے ہیں
رعشہ یہ نہیں قبر کا اندیشہ ہے
دنیا سے لرزتے ہوئے ہم جاتے ہیں ۔

خیبر بنیادی طور پر مرثیہ کے شاعر ہیں انہوں نے تمام ہی اصناف سخن پر طبع آزمائی کی اور مرثیہ کے ساتھ ساتھ رباعیاں بھی کہیں ۔ ان کی رباعیاں بھی عام طور پر جس طرح مرثیہ گو لکھتے ہیں اس طرح کی ہیں اور ان میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو مرثیہ گو شعراء کے یہاں ملتی ہیں ۔ ان کی ایک رباعی پیش ہے جس میں سادہ انداز بیان اور فن کی بلندی پائی جاتی ہے ۔

تاریک ہوا حسد سے سینہ کیسا
یہ سانپ کے قبضہ میں خزینہ کیسا
ایمان کا دعوی جو ہے تجھکو غافل
مومن کی طرف سے دل میں کینہ کیسا

اس آخری دور میں رباعی گوئی کو کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی ۔ امیر اور داغ اصل میں غزل کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے غزل کو بھی کوئی خاص مقام پر نہیں پہنچایا ۔ اس دور میں کسی شاعر کو صرف رباعی گو نہیں کہہ سکتے یا تو وہ غزل گو ہیں یا پھر مرثیہ نگار ۔ مرثیہ گو شعرا نے بھی رواج کے مطابق رباعیاں کہیں کیونکہ مرثیہ سے پہلے سلام، رباعیاں اور قطعات پڑھنے کا رواج عام تھا لیکن اس روایت انداز سے کہی گئی رباعیوں میں بھی زبان اور بیان کی سادگی اور خیالات کی پاکیزگی ملتی ہے اس دور میں جس مرثیہ گو شاعر نے رباعی کے میدان میں شہرت حاصل کی وہ پیارے صاحب رشید ہیں انہوں نے پیری سے متعلق رباعیاں کہیں اور نام کمایا ۔ ان کی رباعیات میں خلوص کی صداقت اور فن کی پختگی ملتی ہے ان کی پیری کی رباعیات میں جدت ملتی ہے انہوں نے انداز نرالا لیا ہے ۔

آسی غازیپوری نے عارفانہ اور متصوفانہ رباعیات کہیں اور رباعیات میں اضافہ کیا ان کے یہاں زندگی سچی تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں - ان رباعیات سے ان کے مسلک کا اندازہ ہوتا ہے - یہی دو شاعر ہیں جنہوں نے اس دور میں رباعیات کی شمع کو روشن رکھا اور نام کمایا - باقی نے صرف طبع کے لیے رباعیاں کہیں - رباعیات کے اعتبار سے یہ دور بہت ہی عدیب ہے اگر اس دور کو رباعیوں کے زوال کا زمانہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا -

جدید دور نے شاعری کا انداز بھی جدا کردیا تھا کیونکہ اس دور میں بڑے بڑے شاعر اور ادیب انگریزی ادب اور کلچر سے روشناس رہے تھے اور انگریزی تعلیم نے ان کے نظریات میں تبدیلی پیدا کردی تھی - اب شاعری عشق و محبت کے موضوعات اور صوفیانہ خیالات سے جدا ہو کر عام زندگی اور مناظر فطرت کی ترجمان بننے لگی تھی جسے اس دور کو نیچل شاعری سے تعبیر کیا گیا - اس سے کافی پہلے نظیر اکبرا بادی عوام سے بہت قریب آچکے تھے لیکن انہیں اس وقت کوئی اہمیت نہیں دی گئی لیکن جدید شاعری کے تحت ان کی شاعری کو لازوال ٹھہرایا گیا -

بدلتے ہوئے زمانے اور حالات کے ساتھ ساتھ انسان کی مصروفیت بڑھنے لگی۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ شعراء مختصر صنف سخن ، مختصر نثری اصناف اپنائیں ۔ کیونکہ بیروزگاری اور محنت اور مصروفیت بڑی بڑی نظموں ، قصیدوں، مثنویوں اور مرثیوں کے پڑھنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس دور میں مختصر اصناف کو ترقی ہوئی جیسے مختصر افسانہ رباعیات اور قطعات وغیرہ ۔

اس جدید دور میں رباعی کی ابتدا حالی کے ہاتھوں ہوئی اور انہوں نے وقت اور حالات کو دیکھتے ہوئے شاعری کی ابتدا کی کیونکہ وہ اور معاشی کساد بازی، اخلاقی دراوٹ ،اور سوئی ہوئی قوم کا دور تھا جس میں نوجوان طبقہ گمراہی کے راستے پر گامزن تھا۔ حالی اور ان کے ہم عصر شعراء نے اپنی شاعری کے ذریعہ اس دور کے رستے ہوئے ناسوروں کو کریدا ہے اور اس سے بچنے کا راستہ بتایا ہے۔ حالی کی تمام شاعری اصلاح اور قوم کی تباہ حالی پر افسوس سے بھری ہوئی ہے۔ جس دور کے نوجوان اپنے مذہب سے گمراہ ہو رہے تھے حالی نے انہیں مسلمانوں کے عروج کی داستانیں سنائیں اور انہیں اپنے مذہب ملت اور تمدن سے آشنا کرایا ۔ یہی وجہ ہے کہ حالی کی شاعری میں ہمیں پیغمبرانہ انداز ملتا ہے۔ رباعیات بھی حالی نے انہیں حالات کے زیر اثر رہ کر کہیں اسی سے ہمیں ان کی رباعیات میں اصلاحی ،اخلاقی ، مذہبی ، سیاسی اور ذاتی قسم کے خیالات ملتے ہیں۔ حالی کی شاعری کا مقصد قوم کے اخلاق کو سدھارنا اور انہیں اپنے رسم و رواج سے روشناس کرنا تھا۔ اصلاحی رباعیات میں قوم کی اصلاح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ کم ہمت نوجوانوں کی ہمت بندھاتے ہیں اسی سلسلے

کی ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار
دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار
جو کم ہمت تھے ہوئے وہ مجبور۔
جو با ہمت تھے بن گئے وہ مختار۔

حالی نے ایک مذہبی رباعی میں اس دور کے بھٹکے ہوئے نوجوانوں پر بھرپور طنز کیا ہے جس کا وار بہت گہرا اور کاری محسوس ہوتا ہے۔ رباعی ملاحظہ ہو۔

جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے
دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ ہنگام میں بھول جائیں اطفال
لیکن انہیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل
اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل۔
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اک ہانکر کہ حضور
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل۔

اس رباعی سے ہمیں اس دور کے سیاسی حالات کا علم ہوتا ہے۔

جو لوگ ہیں نیکیوں میں بہت مشہور
ہوں نیکیوں پہ اپنے نہ مغرور بہت۔
نیکی ہی خود ایک بدی ہے گر ہو نہ خلوص
نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

موسی نے یہ کی عرض کہ اے بار خدا
مقبول ترا کون ہے بندو میں سوا۔
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ

جوش خم بادہ جام خالی میں ہوا
پھر ولولہ پیدا دل حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح داد سخن
مجکو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

دور جدید میں حالی کے بعد اکبر الہ آبادی کا نام آتا ہے۔ حالی کی طرح ان کے یہاں بھی ہمیں اصلاحی رنگ ملتا ہے۔ لیکن ان کا اصلاحی رنگ ظرافت میں دوبا ہوا ہے جو ناگوار معلوم نہیں ہوتا۔ ان کی مقصدیت، شعریت پر غالب نہیں آتی انہیں جو بھی کچھ کہنا ہوتا ہے وہ ظرافت کا استعمال کرتے ہیں اگر انہیں شاعر ظریف کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ان کی ایک اصلاحی رباعی ملاحظہ ہو جس میں انہیں ظرافت کے انداز میں نوجوان طبقے کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے اور اس قسم کے الفاظ کا استعمال کیا ہے کہ پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔

چھٹی اس میں کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھکو پیارا لکھے۔
القاب میں دیکھیے دیئر کلو ہے۔

اکبر مغربی تعلیم اور طور طریقوں کے خلاف تھے اس لیے انہیں سر سید کے کاموں پر بھی اعتراض تھا۔ ان کی نظموں میں بھی سر سید پر بھرپور

طنز ملتا ہے۔ جگہ جگہ ان کا مذاق اڑایا ہے اسی سلسلے کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں سر سید کی مخالفت اور اپنی قوم کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔

اعزاز سلف کے مٹتے جاتے ہیں نشاں
اگلے سے خیالات ہند میں اب وہ کہاں
سید بنا ہو تو بنو سر سید ۔
ہونا ہو جو خواں تو بنو انگریزی خواں

اکبر کے دور میں انگریزی تعلیم کا رواج عام ہو رہا تھا اور نوجوان طبقہ انگریزی ماحول اور طریقوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس رجحان کو دیکھکر اکبر نے ایک رباعی کہی ہے جس میں نصیحت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کو بیان کیا ہے ۔ اور نوجوان طبقہ کی اصلاح کرکے وہ راہ راست پر لانے کی ناکام کوشش کی ہے رباعی ملاحظہ ہو ۔

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانی آخر
تپلون کی فکر میں لنگوٹی بھی گئی

اصلاحی قسم کی رباعیوں کے علاوہ انہوں نے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور عارفانہ رباعیاں بھی کہی ہیں ۔ فلسفیانہ اور ذاتی رباعیاں بھی موجود ہیں ۔

وہ لطف اب ہندو و مسلماں میں کہاں
اغیار ان پہ کرتے ہیں خندہ زناں ۔
جھگڑا کبھی نائے کا زباں کی کبھی بحث
ہے سخت مضر یہ " نسخۂ گاؤں زباں

حق نے جنہیں دی ہے فہم قرآن مجید
ہونے کے نہیں وہ پیر کردوں کے مرید
بدلے سو رنگ انقلاب دین -
ہر حال میں ان کو ہے خدا سے امید

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاکھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو -

روشن سینے میں شمع ایماں کر دے
دل تیری طرف رہے وہ ساماں کر دے
دنیا سے ہو بے خبر تیرے شوق میں روح
یا رب اکبر پہ زیست آساں کر دے -

سنکر کہ خیال میں پریشانی ہے
اس کا منشا فقط ہوس رانی ہے
دنیا فانی ہے وہ بھی ہے اس کا مقر
لیکن نہ سمجھ سکا کہ کیوں فانی ہے

مسکن، گدا ہو یا بادشاہ ذیجاہ
بیماری و موت سے کہاں کس کو پناہ
آھی جاتا ہے زندگی میں اک وقت
کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

حضرت کی وفات سے ہے ہر اک دلریش
دیکھتے تھے عزیز ان کو بیگانہ و خویش
کیا صفتیں تھی جمع ان میں اکبر
حافظ، حاجی، طبیب، عالم، درویش -

یہ رباعی اکبر نے محمد حسین آزاد کی وفات پر کی تھی ۔

اکبر کی شاعری صرف صفحات کی زینت نہیں بنی بلکہ اس نے مسلم معاشرے اور اس دور کے حالات اور انسانوں کو اخلاقی مذہبی لحاظ سے سنوارنے کا کام کیا۔ اکبر کی شاعری میں ہمیں افادیت اور مقصدیت پوشیدہ نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کا خاص مقصد نوجوان طبقہ کی اصلاح اور مذہب کی اشاعت اسلامی معاشرے سے نوجوان اور گمراہ طبقے کو روشناس کرانا اور ان کے اندر مذہبی خیالات ،جزبات کو پیدا کرنا ہے۔ انہوں نے طنزیہ انداز میں معاشرہ کا بیان کیا ہے لیکن اس پر ظرافت اس قدر غالب ہے کہ ان کا یہ طنز کڑوا محسوس نہیں ہوتا بلکہ یہ طنز کا کڑوا گھونٹ سب ہنستے ہنستے پیے جاتے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔
اکبر سے پہلے یہ انداز کسی اور کے یہاں نہیں ملتا انہیں کے ہم عصر حالی نے اصلاحی رنگ اپنایا لیکن وہ انداز اتنا مقبول نہیں ہوا جتنا اکبر کا طریقہ شاعری نے مقبولیت حاصل کی اور انہیں کامیابی کے ممبر پر بٹھایا ۔ ان کے ہم عصر شاعر اقبال بھی ان کے انداز طنز سے نہ بچ سکے جبکہ وہ اکبر کی ظرافت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ غرض کہ اکبر نے اردو شاعری خاص طور پر رباعیات کو اتنا سرمایہ دیا کہ جبتک اردو زندہ ہے اکبر کی رباعیات اور ان کا انداز بیان لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا ۔ کیونکہ ان کا انداز بیان اب تک کے تمام رباعی گویوں سے مختلف اور منفرد ہے۔

شاد اس دور میں پیدا ہوئے جب انقلاب برپا تھا۔ شاد انقلابی حالات کے شکار بھی رہے کیونکہ یہ درمیانی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے انہیں غم روزگار لگا تھا ۔

شاد ایک صوفی شاعر ہیں جنہیں صوفیانہ قسم کی شاعری کی یہی وجہ ہے کہ ان کا انگریزی ترجمہ جب یورپ پہنچا تو وہ لوگوں کو زیادہ

متاثر نہ کر سکا کیونکہ صوفیانہ رنگ ان لوگوں کے ماحول سے بہت دور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں یورپ میں مقبولیت حاصل نہیں ہوسکی ۔ جبکہ عمر خیام یورپ سے داد تحسین وصول کر چکے تھے۔ لیکن عمر خیام کی شاعری ساغر و سبو کی شاعری ہے جو ان کے ماحول میں موجود ہے تصوفانہ رنگ میں شاد نے عمر خیام سے سبق لیا ہے۔ بعض جگہ انہیں کے رنگ کی رباعیاں ملتی ہیں ۔ انہوں نے عارفانہ، فلسفیانہ ،المیہ،اخلاقی ،عشقیہ خمریہ،اور پیری کی رباعیاں کہی ہیں تمام قسم کی ایک ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

ارباب قیود تجھکو کیا دیکھیں گے
خواہان نمود تجھ کو کیا دیکھینگے
رویت کے لیے شرط ہے میدان وفا۔
پابند وجود تجھکو کیا دکھینگے۔

پتلوں سے لپٹ کے غش میں ہر طائر ہے
کیفیت یاس شمع سے ظاہر ہے ۔
تم بھی شب غم سے مل کر رولو اے شاد
آثار سحر ہیں رات اب آخر ہے

جس دل میں غبار ہو وہ دل صاف کہاں
پھر خلق کہاں وفا و الطاف کہاں ۔
جس قوم میں آیا تعصب کا قدم ۔
اس قوم میں اے شاد پھر انصاف کہاں

دم الفت معشوق کا بھرنا سیکھے
ہم زندہ دلوں سے آکے مرنا سیکھے
نالوں کی صدائیں بھی خوش آیند نہیں
بلبل سے کہو بات تو کرنا سیکھے۔

اس فصل میں بزم عیش و عشرت اچھی
ہو حق کا جہاں ہو غل، وہ صحبت اچھی
ہے موسم گل ایسے میں پینا ہو تو پی
جو وقت پہ ہو وہی عبادت اچھی

اس بزم سے نزدیک ہے جانا میرا
پیری ہے اب آخر ہے زمانہ میرا ۔
پروانے عبث ہیں مجھکو ڈھیرے اے شاد
میں شمع سحر ہوں کیا ڈھکانا میرا

دنیا میں جو ہیں بھی تو نہ ہونے کی طرح
جاگے بھی اگر کبھی تو سونے کی طرح ۔
ہنسنا تو بڑی بات اس کا کیا ذکر
رونا ہے کہ روئے بھی نہ رونے کی طرح

شاد کے یہاں تصوف و معرفت سے متعلق رباعیاں ملتی ہیں انہوں نے روایت کو برقرار رکھتے ہوئے تمام موضوعات کو برتا لیکن جو اثر اور تاثیر متصوفانہ اور المیہ رباعیات میں کسی اور میں نہیں ان کی رباعیات بہت مقبول ہوئیں یہاں تک کہ انگریزی نثر و نظم دونوں میں ان کا ترجمہ ہوا۔ شاد نے عمر خیام اور حافظ دونوں سے اثر قبول کیا اور ان کا اثر شاد کے یہاں جابجا نظر آتا ہے ان کی المیہ رباعی اس لیے کامیاب رہیں ان میں شاد کے اپنے حالات اور دل کی آواز پائی جاتی ہے ۔ شاد کی رباعیات میں تاثیر، سوز و گداز، سادگی، سلاست، روانی بدرجہ اتم موجود ہے۔ شاد کا زمانہ انقلاب اور افراتفری کا زمانہ تھا لیکن یہ اس انقلاب سے بہت کم متاثر نظر آتے ہیں ۔ شاد کے بعد آنے والے شعراء نے ان سے اثر قبول کیا ۔

اور شاد کے انداز شاعری کو زندہ جاوید بنا دیا ۔

" رواں " ۱۸۸۹ع میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳٤ع وفات پائی ۔ اپنی اس قلیل عمر میں جو رباعیات کا خزانہ انہوں نے ہمیں دیا انہیں یاد رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ٤۹ سال کے مختصر عرصہ میں رواں نے رباعیات کہیں اور اسکے موضوعات میں بھی اضافہ کیا۔ رواں سے پہلے ہمیں رباعیات میں منظر نگاری نہیں ملتی۔ یہ مرتبہ رواں کو حاصل ہے کہ انہوں نے اردو رباعی کو ایک نیا اور حسین موضوع دے دیا جس میں انسان کی داخلی زندگی اور دنیا کے ساتھ ساتھ خارجی منظر کشی بھی کی گئی ہے۔ منظر نگاری کا یہ صرف خاکہ مختصر طور پر تیار کر سکے۔

انہوں نے اپنے بعد آنے والے شعراء کے لیے راہیں ہموار کردیں اور انہیں ایک نئے موضوع سے آشنا کرایا۔

اس کے علاوہ ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جس زمانے میں انقلابی اصلاحی، اور اخلاقی قسم کی شاعری کی جا رہی تھی رواں نے فلسفہ کا ساز چھیڑا۔ اسے اتنا عروج دیا کہ لوگ اس طرف متوجہ ہوگئے۔ اس قدر خشک اور روکھے موضوع میں نئی چاشنی کی روح پھونک دی کہ وہ دلچسپ محسوس ہونے لگی۔ ان کی فلسفیانہ رباعیات میں عمر خیام کا رنگ جھلکتا ہے۔ رواں نے فلسفیانہ شاعری اس وقت شروع کی جب سبھی کا ذہن اس طرف سے ہٹ چکا تھا۔ ان کی یہاں فلسفیانہ رباعیات میں فلسفۂ موت فلسفۂ گناہ، فلسفۂ جبر اختیار، بے ثباتیٔ دنیا وغیرہ کو پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے یہاں عارفانہ، خمریہ، عشقیہ، اخلاقی، سماجی، ذاتی قسم کی بھی رباعیاں کہیں ہیں ۔ سبھی قسم کی ایک ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

یہ کیا کہ حیات جاودانی کیا ہے
پہلے دیکھو جہان فانی کیا ہے
اسفکر میں ہو کہ موت کیا شے ہے رواں
یہ بھی سمجھے کہ زندگانی کیا ہے

رواں کا فلسفہ گناہ کے متعلق بھی اپنا ایک مخصوص نظریہ ہے ملاحظہ ہو

در پھر کبھی زندگی عنایت کرنا
مالک میرے خودی عنایت کرنا
ہوتے ہیں گناہ وجہ تکمیل حیات
پھر ذوق گناہ بھی عنایت کرنا

تدبیر یہ منحصر نہ اوقات پہ ہے
انجام عمل خدا ہے کی ذات پہ ہے
کوشش نامراد کہتی ہے رواں
تقدیر کی راہ التفات پہ ہے۔

دنیا سو سو طرح سے بہلاتی ہے
سامان خوشی سے روح گھبراتی ہے
اب فکر فنا نے کھول دیں ہیں آنکھیں
کلفت ہر بات میں نظر آتی ہے۔

جتنے انوار حسن صورت کے ہیں
سب نغمہ نواز بزم قدرت کے ہیں
یہ آب و سحاب و برق و باد و باراں
پردے دو چار ساز فطرت کے ہیں

دل صرف حصول جام و مینا کردے
جان وقف حضور حسن یکتا کردے
تو راز نشاط پوچھتا کیا ہے رواں
غرق مے ناب دین و دنیا کردے -

جب شب میں شعاع نور کھو جاتی ہے
بیدار روح سکوت ہو جاتی ہے
اس طرح تیرے خیال میں گم ہوں میں
مچھلی پانی میں جیسے کھو جاتی ہے-

حرص و حوس حیات فانی نہ گئی
اس دل سے ہوائے کامرانی نہ گئی
ہے سنک مزار میر ترا نام رواں
مر کر بھی امید زندگانی نہ گئی

غم شہر بہ شہر پھیلتا جاتا ہے
اللہ کا قہر پھیلتا جاتا ہے
ابتک تو دلوں میں اک حرارت تھی رواں
اب خون میں زہر پھیلتا جاتا ہے -

فطرت کی ہما ہمی نہ بھولے گی ہمیں
نکھری ہوئی چاندنی نہ بھولے گی ہمیں
جب ہم تھے جگر تھے اور بزم بادہ -
وہ رات رواں کبھی نہ بھولے گی ہمیں

ہر قلب پہ بجلیاں گراتی آئی

ہر سمت اک آگ سی لگاتی آئی

بکھرے جاتے ہیں خم ہائے کہنہ

پھر صبح بہار مسکراتی آئی

فانی ایک صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ شروع میں ان پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ کہ وہ شعر و شاعری نہ کریں لیکن عشق میں مبتلا ہونے کے بعد ان پر فلسفہ غم کا راز کھلا اور یہی غم ان کی زندگی کا حاصل بن گیا ۔ اسی غم کو فانی نے اپنی شاعری میں سمو دیا۔ ان کا غم لافانی ہے اور یہی غم ان کے لیے نشاط کا ذریعہ بن گیا۔ وہ دنیا کو اپنے غم کے آئینہ میں دیکھتے ہیں ۔

فانی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے رباعیاں بھی کافی تعداد میں کہی ہیں ۔ ان کی رباعیات میں ہمیں فلسفۂ غم ملتا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے فلسفۂ جبر اور فلسفۂ حیات پر بھی رباعیاں کہی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں ۔

غم عین نشاط دراز تخلیق نشاط

غم حجت انبساط و تصدیق نشاط

غم کا ہے تبسم جسے کہتے ہیں وجود

ہستی کو ہے غم کے دم سے توفیق نشاط

چاہے سے بدلتی ہے مشیت بھی کہیں

چھپتی ہے چھپائے سے حقیقت بھی کہیں

غم مے سے غلط نہ کر کہ غم قسمت ہے۔

پلٹی ہے غلط کہیں سے قسمت بھی کہیں

روداد غم ہوش ہے وابستہ کن
کانٹا نہ نکال پھول دیکھ اور نہ چن
فانی افسانہ مکمل ہے حیات ۔
سن اور بہ امید ردو اصلاح نہ سن

فانی کی زندگی اور شاعری دونوں میں غم کی بہت اہمیت ہے۔ فانی غم کو برا متصور نہیں کرتے بلکہ اس کا استقبال کرتے ہیں اور وہ اسے خوشی کے احساس کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے پورا فلسفہ تیار کیا ہے غم کا وہ غم کو غلط نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ غم انہیں عزیز ہے۔ ان کے یہاں عارفانہ، عشقیہ، اخلاقی، سماجی رباعیاں بھی ملتی ہیں ۔

کیا کہیے کہ مدعائے تحقیق یہ ہے
خود کھوئیے ماجراء تحقیق یہ ہے
تو کیا ہے یہ ابتدائے تحقیق سہی
ہم کچھ نہیں انتہائے تحقیق یہ ہے

سب سے مجھے بیگانہ بنا کر چھوڑا
عبرت کا اک افسانہ بنا کر چھوڑا
آنے نہ دیا ہوش محبت کے کبھی ۔
آخر مجھے دیوانہ بنا کر چھوڑا ۔

نا عاقبت اندیش قیامت کو سمجھ
مظلوم سے ڈر خدا کی عادت کو سمجھ
یہ عرش کو سو بار ہلا آئی ہے
او رز شکست کی طاقت اکو سمجھ

اس باغ میں جو کلی نظر آتی ہے
تصویر فردگی نظر آتی ہے
کشمیر میں ہر حسین صورت فانی
مٹی میں ملی ہوئی نظر آتی ہے

فانی وہ شاعر ہیں جنہیں اپنی زندگی میں ہی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی یہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور غزل گوئی کے میدان میں انہوں نے شہرت حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں رباعی کی محفل سے بھی داد ملی اور یہ ایک بہترین رباعی گو کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

دونوں میدانوں میں بہت ہی کم شعراء کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی دراصل ان کی شہرت کا سبب ان کا فلسفہ غم ہے جو غالب اور میر دونوں سے بالکل علاحدہ ہے ان کا غم اپنی خوشی کے احساس کا ذریعہ ہے۔ یہ اپنے غم کو غلط نہیں کرنا چاہتے بلکہ ایسا کرنا وہ خیانت سمجھتے ہیں۔ اس خیال کا اظہار وہ ایک رباعی میں اس طرح کرتے ہیں۔

آنکھوں سے جو خون دل بہے بہنے دے
تخفیف نہ چاہ، دل کو غم سہنے دے
غم میں یہ تصرف ہے خیانت فانی۔
غم اس کی امانت ہے یوں ہی رہنے دے۔

غم کا مرتبہ فانی کی نظر میں بہت بلند ہے۔ غم کے بغیر فانی کا اور فانی کے بغیر غم کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ فانی کی شاعری میں دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ہی فانی کی رباعیات کا خاصہ ہے۔

یگانہ کا شمار مشہور شعراء میں ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے دور کے منفرد شاعر تھے جیسا کہ ان کے تخلص " یگانہ " سے ظاہر ہے۔ ان کی

شاعری میں ہمیں طنز کے تیر و نشتر ملتے ہیں گو کہ ان سے پہلے بھی اکبر الہ آبادی اور حالی کے یہاں بھی ہمیں طنز کے تیر و نشتر ملتے ہیں لیکن ان کا انداز نرالا ہے وہ تیر چلا کر تڑپنے کا مزہ دیکھتے ہیں ۔

انہوں نے رباعیات میں ضرب المثال اور محاورات کا اضافہ کیا اور اپنی رباعیات میں اس قدر خوبصورت انداز میں ان کا استعمال کیا ہے کہ وہ برجستہ اور خوب معلوم ہوتے ہیں اور اس سے انہوں نے طنز کے تیر بھی چلائے ہیں ایک رباعی میں شیخ پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

منبر پر جناب جبریز کریں
جو باتیں مضحکہ انگیز کریں
انگور حلال اور مئے انگور حرام
گڑ کھائیں گل گلوں سے پرہیز کریں

اس رباعی میں شراب پینے کی ممانعت پر طنز کیا ہے اور کیا خوب مثال دی ہے ایک اور رباعی ملاحظہ ہو جس میں ہاتھوں کے طوطے اڑنا محاورہ باندھا ہے ۔

راتیں یوں ہی کٹ جاتی ہیں روتے روتے
دن جاتے ہیں منھ اشکوں سے دھوتے دھوتے
دامن کو چھڑا کر وہ گیا ہے جب سے ۔
ہاتھوں کے اس دن سے اڑے ہیں توتے

" یگانہ " نے خالص لکھنؤ کے محاوروں اور ضرب المثال کو بھی استعمال کیا جنہیں صرف اہل لکھنؤ میں بھی بہت کم جانتے ہیں ۔ اس قسم کی ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

پیارے صاحب سنو تو پیارے صاحب
کھسیانے نہ ہو شرم کے مارے صاحب
خود ناچ تو آتا نہیں آنگن ٹیڑھا
ہارے تو سدھارے نا نپارے صاحب

اس میں "ہارے تو چلے نا نپارے" ضرب المثال سے کم لوگ واقف ہیں ۔
انہوں نے ضرب المثال اور محاورات سے زیادہ تر طنز کے تیر چلائے ہیں
اس کے علاوہ سنجیدہ موضوعات پر بھی طبع آزمائی کی ہے جیسے فلسفیانہ
عارفانہ، اخلاقی، عشقیہ، سیاسی، المیہ، مذہبی، سماجی، ذاتی غرض کے سبھی
قسم کے موضوعات کو بڑی چابکدستی سے باندھا ہے اور شہرت حاصل کی ہے
ایک طرف ان کی نظر بے ثباتیٔ دنیا اور صوفیانہ موضوعات پر ہے تو
دوسری طرف عشقیہ اور خود پسندانہ موضوعات کو بھی مدنظر رکھا ہے۔
ان کی سبھی قسم کی ایک ایک رباعی ملاحظہ ہو جس سے ان کے کمال فن
کا پتہ چلتا ہے ۔

کیوں پیر فلک دھرانے والا تو کون
چل خاک بسر پھرانے والا تو کون
ٹھہرائے ہے ہوا پر آشیانہ اپنا
گر جائے گا خود گرانے والا تو کون۔

وہ دل جسے لاگ ہو کسی سے نہ لگاؤ
اک خاک کا ڈھیر ہے جسے چونپ نہ چاؤ
ٹھنڈی مٹی کا ایک انوکھا پتلا ۔
پہلو میں ہمیں کو دیکھ لو دور نہ جاؤ

اے ہمت مردانہ دکھا دے وہ کمال
کہتے ہیں جسے جہاد نفس اہل کمال
بہتر ہے دیو کو پکڑلے زندہ ۔
قابو میں کرلے نفس کو مار نہ ڈال

ساجن کو سکھی منالو پھر سو لینا
سوتی قسمت جگالو پھر سو لینا
سوتا سنسار رہنے والا بیدار ۔
اپنی بیتی سنا لو پھر سو لینا ۔

انگریز چئیرمین کہیں آتے ہیں جناب
کیا دور تھا آجاتا کوئی اور عتاب
کیا عہد وفا دار بنے تھے مرزا
کیسا سوکھا ملا تمیدے کا جواب

بوسہ نہیں بوسے کا مزہ لیتا ہوں
جھوٹی سچ ہوس مٹا لیتا ہوں
چلتا نہیں زور ان سے لپٹنے کیونکر
منھ دیکھ کے بس ہونٹ چبالیتا ہوں

پھر کوئی نئی لگن لگی ہے شاید
ہاں ہاں تہہ پیرہن لگی ہے شاید
دل پریم کے ساگر میں بیتاب ہے کیوں
تازہ کوئی ڈگن لگی ہے شاید

ممکن نہیں کہ سب کے سب تونگر ہو جائیں
تقدیر کے دائرے سے باہر ہو جائیں ۔
ہے ایک کا رنج دوسرے کی راحت
خوش کون رہے جو سب برابر ہو جائیں

ایسا نہ سمجھو کوئی خیلا ہوں میں
دھن کا پکا ہوں گو اکیلا ہوں میں
دم یکوں نہ بھری پھر میں علی کا ہردم
معلوم ہے کس کو کا چیلا ہوں میں

مرزا کو افلاطوں سے سوا پاؤ گے
سقراط و ارسطو کا چچا پاؤ گے۔
غالبکو غبچی کی نظر سے دیکھو
ایسا نہ کروگے تو خطا پاؤ گے

یگانہ کی رباعیات کو دیکھنے کے بعد کوئی بھی شخص انہیں اچھے رباعی گو حیثیت سے تسلیم کر سکتا ہے کیونکہ ہمیں ان کے یہاں روایتی انداز سے ہٹ کر انداز ملتا ہے۔ انہوں نے رباعیات کے موضوعات میں زبردست اضافہ کیا ہے۔ ضرب المثال اور محاورات کا اضافہ ہمیں پہلی دفعہ ان کے یہاں ملتا ہے۔ المیہ رباعیات بھی ان سے پہلے بہت کم لوگوں نے رسما کہیں ہیں لیکن ان کی رباعیاں اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں۔ ان کی سماجی اور سیاسی رباعی بھی اور شعراء سے علاحدہ ہیں ۔

اس کے علاوہ انہوں نے فلسفیانہ رباعیات جو کہیں ہیں ان کا جواب نہیں۔ ذاتی رباعیوں میں بھی ہمیں ان کی خود پسندی نظر آتی ہے۔ ضرب المثال اور ذاتی ،سیاسی رباعیات میں انہوں نے اپنے سماج اور اس میں بسنے والے انسانوں پر بھرپور طنز کیا ہے۔ ان کے طنز اور نشتر دوسرے تمام شاعروں سے فرق ہیں۔ انہوں نے سماج کے رسم و رواج کو برا کہا ہے اور ان کی مزمت کی ہے۔ انہوں نے اپنے سماج کے انسانوں کا ،ان کے رسم و رواج کا بغور مطالعہ کیا ہے جس کی جھلک ہمیں ان کی رباعیات میں نظر آتی ہے ۔

اس کے علاوہ سب سے پہلے ہمیں انہیں کے یہاں ہندی شاعری کا معمولی اثر ملتا ہے جس کی مثال ان کی سماجی رباعیاں ہیں ۔ اس میں انہوں نے ہندوستان کے کلچر کو پیش کیا ہے ۔

اس طرح ہم یگانہ کو منفرد شاعر کا نام دے سکتے ہیں اور یہ اردو ادب میں منفرد شاعر کی حیثیت سے زندہ رہینگے ۔

دور جدید کو اگر رباعیات کے عروج کا زمانہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ اس دور میں رباعیات کو موضوعات ،زبان و بیان اور تخلیقات میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ ہر لحاظ سے یہ دور مالامال ہے۔ اس دور میں فن کو بھی کافی ترقی ہوئی اور رباعی جس زوال سے دور حاضر میں متاثر ہوئی اس کی تلافی دور جدید نے کردی کیونکہ اس دور میں رباعی نے اتنی ترقی کرلی کہ اس نے ہر قسم کے موضوعات کو اپنے اندر سمو لیا اور ترقی بھی دی۔ نئے زمانے میں حالات بھی نئے پیش آئے۔ لوگوں کے انداز طور طریقے سبھی میں تبدیلی رونما ہونے لگی تو رباعیات کے موضوعات نے بھی اپنے اندر اسی انداز میں تبدیلی پیدا کرلی۔ رباعی ایک ایسی صنف سخن بن گئی جس میں ہر قسم کے خیالات ،موضوعات کو پیش کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ رباعیات کے مجموعہ بھی صرف اسی دور میں چھپے اس سے پہلے دیوان یا کلیات میں رباعیات کو شامل کر دیا جاتا تھا۔ اس دور نے اردو ادب کو صرف رباعی گو شعراء بھی دیے۔ اس سے پہلے ضمنی طور پر رباعیاں کہی گئی۔ ایک دو شعراء کے علاوہ سبھی غزل گو اور مرثیہ گو شاعر ہیں ۔ اس دور میں حالی اور اکبر نے حالات کو دیکھتے ہوئے اصلاحی رباعیاں زیادہ تعداد میں کہیں ۔

شاد نے تصوف کی شمع کو دوبارہ روشن کیا اور اس کی لو کو بڑھایا رواں نے اصلاحی اور انقلابی دور میں فلسفہ کا ساز چھیڑا۔ فانی نے

غزل کی طرح رباعیات میں بھی فلسفہ غم کو پیش کیا ۔ ایکانہ نے رباعی کو ایک نیا اور انوکھا موضوع دیا ۔ اس سے پہلے ہمیں ضرب المثال اور محاورات کا استعمال رباعی میں نہیں ملتا ۔ ان شعراء نے دوسری اصناف سخن پر بھی طبع آزمائی کی لیکن ان کے ساتھ ساتھ رباعی کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں رباعی ابتک پہنچنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہی تھی ۔

یہ وہ شعراء ہیں جن کے مجموعے بھی شائع ہوئے اور انہوں نے موضوعات نئے بھی کہے اور پرانے موضوعات کو نیا رنگ و روغن کرکے نئے انداز میں پیش کیا ۔

مجموعی طور پر ہمیں اس دور نے اصلاحی ، المیہ ، منظر نگاری ، پیری جیسے نئے موضوعات رباعی کو دیے اور رباعی کا مقام بلند کیا ۔ یہ دور قدیم دور کی طرح رباعیات سے مالامال نظر آتا ہے ۔

فراق کے ہم عصر اہم رباعی گو شعراء کا تفصیلی جائزہ

فراق کے ہم عصر رباعی گو شعراء میں محروم، امجد، اثر لکھنوی جوش، ساغر، اور اثر صہبائی ہیں۔

ان میں سبھی وہ رباعی گو ہیں جن کو شہرت اور ترقی ملی۔ ان کے علاوہ بھی رباعی گو شعراء ہیں لکن ان کا ذکر یہاں مناسب نہیں کیونکہ انہوں نے رباعی کے میدان میں کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا۔

منشی تلوک چند محروم۔

محروم بیسویں صدی کے اہم رباعی گو شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں رباعی کے علاوہ بھی انہوں نے دوسری تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ ان کا مجموعہ رباعیات دو بار شائع ہو چکا ہے جس کا نام " مجموعۂ رباعیات محروم " ہے۔ اس پر پہلے بار اقبال نے اور دوسری بار کیفی نے دیباچہ لکھا اور پیش لفظ جوش نے اور ان تینوں نے محروم کی تعریف کی ہے۔ انہیں کے الفاظ میں تعریف ملاحظہ ہو۔

" مجھے یقین ہے کہ یہ رباعیاں بعض مقامات پر

اپنی روحانیت کے باوجود اردو کے سنجیدہ ادب
میں جو بہت قلیل ہے ایک گراں بہا اضافہ کر
دینگی اور ان حضرات کو لطف اندوز ہونے اور
فائدہ اٹھانے کا بھرپور موقعہ دینگی جو بجا طور پر
اس کا یقین رکھتے ہیں کہ شاعری حیات انسانی کو
آرائش ،آسودگی ،اور استواری کی دولت بخش سکتی ہے۔1 "

اقبال نے محروم کی رباعیات کے لیے دیباچہ میں ان الفاظ کا استعمال کیا ہے ملاحظہ ہو ۔

" رباعیات محروم کا شاعرانہ معیار بہت بلند ہے
فلسفہ اخلاق ، مذہب اور روحانیت کے وہ نکتے جنہوں
نے فارسی رباعیوں کو اس قدر پر معنی بنایا ،ان میں
جاسجا ملتے ہیں ۔ 2 "

ایک جگہ اور اقبال ان الفاظ کا استعمال کرتے ہیں ۔

" انہوں نے نئی تہذیب خصوصاً فرقۂ نسواں کی
بےحجابی اور بےباکی پر نفریں کی ہے۔ لہذا ہمیں
یقین ہے کہ نوجوان طبقے کے لیے ان کے خیالات قابل
قبول نہیں ہونگے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ صرف وقت
کی تاثیر ہے، اخلاق اور حکمت عملی کی جو صداقتیں
انہوں نے بیان کی ہیں خواہ کسی کو اچھی لگیں یا
نہ لگیں لیکن آخر ہر پھر کر وہی انسانی زندگی کا
دستورالعمل بنتی ہیں ۔ 3 "

1۔ مجموعۂ رباعیات محروم پیش لفظ جوش اندر سر ورق
2۔ " " " دیباچہ ڈاکٹر اقبال ،ص ۔ 13
3۔ " " " سیکنڈ ایڈیشن دیباچہ اقبال ،ص ۔ 16

علامہ کیفی نے محروم کی رباعیات کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

" محروم صاحب دنیائے ادب میں تعارف کے محتاج نہیں ۔ آپ اردو ادب کی دنیا میں اپنی جگہ جگہ بنا چکے ہیں جس کی وقعت اور عظمت سب کو تسلیم ہے۔ آپ کی طبیعت ہمہ‌گیر اور آپ کا تخئیل بلند و مستحکم اور بیان دلکش ہے۔ آپ کا شمار ان اساتذہ میں ہے جن کی غایر نظر حال اور مستقبل تک پہنچتی ہے۔ آپ کے کلام کی پختگی، اور اسلوب کی دل آویزی ملک کے نقادوں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ آپ کی ذہنیت توازن اور آپ کا شعور اعتدال سے مزین ہیں ۔ جن اوصاف اور اقدار کی رباعی کے لیے ضرورت ہے وہ آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اور کلام کی طرح رباعیات بھی نہایت پسند کی جاتی ہیں ۔ ا "

محروم نے اپنی رباعیوں کو مجموعہ میں عنوانات کے تحت پیش کیا ہے۔ عنوانات مندرجہ ذیل ہیں ۔

حمد و مناجات، انسان، مذہب، دنیا، جزبات، فکرونظر، پیری، شعر و شاعری، نصائح، یادرفتگاں، واقعات و تقریبات، دو آتشہ، بہ زبان فارسی۔ " حمد و مناجات کے عنوان سے جو رباعیاں پیش کی ہیں ان کی ایک ایک مثال ملاحظہ ہو ۔

ہر دکھ میں ہے نسخۂ شفا نام ترا
ہر درد کی بلکہ ہے دوا نام ترا
ہر چیز پہ اندوہ فنا طاری ہے
سرمایۂ دولت بقا نام ترا ۔

ا ۔ مجموعہ رباعیات محروم سیکنڈ ایڈیشن دیباچہ علامہ کیفی ص، 18 ۔ ۱۹

قاری ہوں میں نہ بید خواں ہوں یارب
ناواقف اسرار نہاں ہوں یارب
عاصی ہوں ،نظر ہے دامن رحمت پر
جویندۂ گوشۂ اماں ہوں ، یارب

" انسان " کے عنوان کے تحت جو رباعیاں کہیں ہیں
ان میں فلسفیانہ رباعیات بھی شامل ہیں اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

سرمایہ پرست ہو کہ مزدور انساں
ہے دائرۂ عمل میں محصور انساں
تدبیر کے کار و بار میں ہے مختار
تقدیر کے سامنے ہے مجبور انساں

" جزبات " کے عنوان سے جو رباعیاں لکھی ہیں ان میں سے بعض عارفانہ رنگ لیے ہوئے ہیں ۔ ایک رباعی بطور نمونہ پیش ہے ۔

رنگینیٔ بزم رنگ بو کس کی ہے
مرغان چمن میں گفتگو کس کی ہے
ہے لالے کے دل میں داغ حسرت کس کا
نرگس حیران جستجو کس کی ہے

" نصائح " کے عنوان کے تحت جو رباعیاں ہیں ان میں اخلاقی رباعیاں ملتی ہیں ۔

تسکین ممکن نہیں قناعت کے بغیر
پھر بھی مشکل ہے زیست دولت کے بغیر
محنت سے جو ہاتھ آئے دولت ہے وہی
ہے مال حرام ، اگر ہے محنت کے بغیر

اس قسم کی رباعیاں ہمیں " فکر و نظر" کے موضوع سے ان کے مجموعہ میں ملتی ہیں جس میں " محروم " نے اس تہذیب اور ماحول کو ملامت کیا ہے جس میں لڑکیوں کا ناچنا اچھا سمجھا جاتا ہے۔ محروم جبکہ ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن پھر بھی انہیں لڑکیوں کا ناچ رنگ ناپسند تھا۔ اکبر کے بعد محروم نے اصلاح کے میدان میں اکبر کی جانشینی قبول کی اور اپنی رباعیات میں اصلاحی رنگ بھی پیدا کیا۔ ان کی اسی

موضوع سے متعلق ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

کہتی تھی پہلے وہی اچھی لڑکی
شرم اور حیاء کی ہو جو پتلی لڑکی
افسوس کہ انقلاب دوراں سے آج
ممتاز ہے رقص کرنے والی لڑکی۔

محروم انگریزوں کے دور حکومت میں پیدا ہوئے اور پل بڑھ کر جوان ہوئے۔ انگریزوں کی ستم ظریفیاں اور مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے محروم ایک حساس دل شاعر تھے ان تمام حالات کا ان پر اثر لازمی تھا۔ انہیں حالات کے زیر اثر محروم نے رباعیاں بھی کہیں جو واقعات و تقریبات کے عنوان میں موجود ہیں۔ ان کی اس قسم کی ایک رباعی ملاحظہ ہو۔ جس میں انگریزوں کے ظلم و ستم کی داستان درج ہے۔

جو ظلم کبھی نہ دھر فانی میں ہوا
انگریز کے دور حکمرانی میں ہوا
ہے جو رستم کی داستانوں کا نچوڑ
جو کچھ بازار قصہ خوانی میں ہوا

اس قسم کی رباعیاں انہوں نے مختلف عنوانات میں کہیں ہیں۔ ذاتی رباعیوں کی تعداد بہت ہے۔ انہوں نے کیفی کی اٹھاسیویں (۸۸) سالگرہ پر رباعی کہی جو " واقعات و تقریبات " کے عنوان میں درج ہے اس کے علاوہ " یاد رفتگاں" میں کافی تعداد میں ذاتی رباعیاں ملتی ہیں اس میں بیادگار اقبال"، " منشی مہاراج بہادر برق دہلوی" " منشی پریم چند" " آہ سر عبدالقادر" " بھگت سنگھ" کی یاد میں " " صفی لکھنوی کی یاد میں" " آغا شاعر دہلوی" " انتقال حضرت سیماب اکبرآبادی" کے

عنوانات کے تحت رباعیاں ملتی ہیں ۔

" بیادگار اقبال "

اقبال کی موت پر بپا ماتم ہے
اے اہل وطن بہت بڑا ماتم ہے
نغموں سے لہو کا آج نالے بن جائیں
رضوان ریاض شعر کا ماتم ہے۔

" جالندھر میں "

ہم رہتے تھے آرام سے اپنے گھر میں
اب گردش ایام سے ہیں چکر میں ۔
لاہور میں جا ملی نہ امرت سر میں
پھرتے ہیں کس مپرس جالندھر میں

" جزبات " کے عنوان میں محروم کے یہاں منظر نگاری کی رباعیاں ملتی ہیں شاعری داخلی زندگی سے نکل کر جب خارجی دنیا میں وابستہ ہوئی تو شاعری کے موضوعات میں تبدیلی واقع ہوئی اور زیادہ تر شعراء منظر نگاری کو اپنی شاعری میں شامل کرنے لگے چنانچہ تمام جدید شعراء کے یہاں ہمیں اخلاقی انداز ملتا ہے۔ محروم نے بھی داخلی انداز کو اپنایا اور منظر نگاری کی عمدہ مثالیں قائم کیں ۔ ان کی دو رباعیاں ملاحظہ ہوں

جنگل کی یہ دلنشیں فضا یہ برسات
یہ نغمۂ باداں ، یہ ہوا ، یہ برسات
سامان وارفتگی شاعر کے ہیں ۔
کویل کی یہ کوک ، یہ ٹھنڈا ، یہ برسات

ہنگی سی پہار اور کنار دریا
یا صبح بہار اور کنار دریا۔
قسمت سے ملتے ہیں کسی کو محروم
ساون اشجار اور کنار دریا ۔

اٹھتی ہی نہیں نظر جھکی جاتی ہے
نادم ہے خاک پر جھکی جاتی ہے
سر پر ہے عمر بھر کا بار عصیاں ۔
پیری میں جو یو کمر جھکی جاتی ہے

ان عنوانات کے علاوہ محروم نے " دو آتشہ " کے عنوان سے جو رباعیاں لکھی ہیں وہ عمر خیام کی رباعیات کا ترجمہ ہے۔ یہ انداز ہمیں کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اوید منتر کا بھی ترجمہ ایک رباعی میں پیش کیا ہے۔ جو "ترجمہ وید منتر " کے عنوان سے درج ہے اور " مہاراج بھرتری کے دو اشلوک" کے عنوان سے ان کے دو شلوک ایک رباعی میں ترجمہ کرکے سمو دیے ہیں ۔

محروم کی رباعیات پر اگر مجموعی طور سے نظر ڈالیں تو قدیم شعراء سے لے کر ابتک سب سے زیادہ عنوان اور انداز رباعیات کو انہوں نے ہی دیے ہیں ،سلاست اور روانی کے علاوہ انہوں نے رباعی کو ایک اعلی مقام پر لاکر کھڑا کر دیا یہ ہی وجہ ہے کہ محروم رباعیات کے میدان میں ہمیشہ یاد رکھے جائینگے۔

امجد حیدرآبادی ۔

امجد نے صوفی رباعی گو کی حیثیت سے دنیائے ادب میں شہرت حاصل کی ہے ۔

تصوف انہیں ماں باپ دونوں سے ورثے میں ملا تھا۔ صوفی

شعراء کے یہاں عموما پندو نصائح ،اخلاق اور معرفت کے مضامین ملتے ہیں

امجد کے یہاں بھی ہمیں متصوفانہ،مذہبی ، عشقیہ(عشق حقیقی) ،اخلاق

اور ان سب کے علاوہ ہمیں امجد کے یہاں تصوف اور فلسفہ کا حسین

امتزاج ملتا ہے۔ ان کی رباعیات عارفانہ سر مستی کی بناء پر جا بجا غزل

کا لطف بھی دیتی ہیں ۔ امجد ان نصیحت کرنے والوں میں سے ہیں

جو وہ کہتے ہیں اور لکھتے ہیں خود بھی اس پر عمل پیرا ہیں اگر ہم

ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ عالم با عمل ہیں

ان کی رباعیات میں ہمیں معرفت کی گہرائی ،جذبے کی صداقت ،خلوص

کی سچائی نظر آئے گی ۔ امجد تصوف میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ

انہیں سوائے اللہ کی ذات کے کچھ نظر نہیں آتا وہ جس پہلو سے بھی

دنیا کو دیکھتے ہیں انہیں خدا ہی نظر آتا ہے۔ اسی قسم کی ایک عارفانہ

رباعی ملاحظہ ہو۔

ذرے ذرے میں ہے خدائی دیکھو
ہر بت میں ہے شان کبریائی دیکھو
اعداد تمام مختلف ہیں باہم ۔
ہر ایک میں ہے مدر الائی دیکھو

امجد کے یہاں مذہبی رباعیات میں حمد ، نعت کی رباعیاں ملتی ہیں ۔

انہوں نے معرفت کے ساتھ ساتھ حمد و نعت کی بھی رباعیاں کہیں ہیں

ان کی رباعیاں ملاحظہ ہو ۔

دو دن کے لیے دولت دنیا مانگو
یا تجھ سے کریم سے میں عقبی مانگو
میں بھی تھوڑی بہت سمجھ رکھتا ہوں
آخر تجھ سے تیرے سوا کیا مانگو ۔

ہردم رہیں ذکر حضرت باری میں
دن رات گذاریں گریہ و زاری میں
مقصود یہی ہے زندگی کا امجد
مصروف رہیں موت کی تیاری میں

امجد کا فلسفہ تمام دوسرے رباعی گو شعراء سے فرق ہے۔ انہوں نے فلسفہ تصوف کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ وہ فلسفیانہ مسائل کو تصوف کی طریقہ سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ان کی فلسفیانہ رباعیات ملاحظہ ہوں ۔

پابند خیال میری تقریر رہی
آزادی پہ بھی پاؤں میں زنجیر رہی
تھا جتنا خدا کا حکم کوشش کرلی۔
تدبیر بھی وابستۂ تقدیر رہی ۔

سانچے میں اجل کے ہر گھڑی ڈھلتی ہے
ہر وقت یہ شمع زندگی جلتی ہے ۔
آتی جاتی ہے سانس اندر باہر ۔
یا عمر کے حلق پر چھری چلتی ہے ۔

بحر تلاطم میں بہا جاتا ہوں
ہر دم طرف لحد کھنچا جاتا ہوں
بازار فنا میں کیا ٹھہرتا ہے مجھے۔
میں صرف کفن کے لیے چلا آتا ہوں

امجد کی عشقیہ رباعی ملاحظہ ہو جس میں عشق حقیقی کی جھلک ہے۔

امجد محبت میں اتنا ڈوبے ہوئے ہیں کہ ان کی عشقیہ رباعیات میں عشق حقیقی پوشیدہ ہے۔ ان کی دو رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

وہ تیغ بکف تھا ہم گلا دیتے تھے
کٹے تھلے پہ آواز بلی دیتے تھے
خاکستر سوز عشق سے روز ازل ۔
آئینہ حسن کو جلا دیتے تھے ۔

غم میں ترے زندگی بسر کرتا ہوں
زندہ ہوں مگر تیرے لیے مرتا ہوں
تیرے ہی طرف ہر اک قدم اٹھتا ہے
ہر سانس کے ساتھ ترا دم بھرتا ہوں

اخلاق کا درس صوفیوں کا خاص موضوع ہے۔ تمام صوفی شعراء کے یہاں ہمیں اخلاقی رباعیات ملتی ہیں ۔ امجد نے بھی اخلاقی رباعیاں کہیں ہیں جس سے انسان نیکی کی ہدایت لے سکتا ہے ۔

صوفیہ کرام کی نصیحت زاہد و شیخ کی روک ٹوک سے فرق ہوتی ہے۔ زاہد و شیخ عیب بینی سے کام لیتے ہیں لیکن صوفیہ کرام اخلاق کی خوبیوں کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو قبول کرنے پر خود بہ خود مجبور ہو جاتا ہے۔

امجد اخلاق کی تعلیم نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں دیتے ہیں ۔ ان کا انداز بڑے بڑے زاہد و شیخ کے پند و نصائح بھی مانند پڑ جاتے ہیں ۔ ان کی اخلاقی رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

ایک رباعی میں غربت کی تعریف کرتے ہیں اور دولت مندی کو برا متصور کرتے ہیں اور اس کی توجیہہ یہ پیش کرتے ہیں ۔ دولت مند لوگ

بے فکر ہو کر سو نہیں سکتے اور نہ ہی انہیں آسانی سے موت آتی ہے۔
انہیں دولت کی فکر لگی رہتی ہے غریبی میں انسان آرام سے سوتا ہے۔
اور مرتا ہے ۔ اس موضوع سے متعلق ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے
بے فکری سے سونا بھی بڑی دولت ہے
افلاس نے سخت موت آساں کر دی ۔
دولت کا نہ ہونا بھی بڑی دولت ہے

ہر شخص کے دل کو خوش رکھو عید یہ ہے
ہر چیز کو اچھا کہو تحمید یہ ہے۔
مخلوق خدا ہے سب خدا کی مخلوق ۔
سب کو تم ایک سمجھو توحید یہ ہے

اک ایک کی تاک میں لگا رہتا ہے
خون ایک کا ایک کے ہاتھ سے بہتا ہے
انسان کے خبث باطنی کے آگے ۔
شیطان بھی لاحول ولا کہتا ہے۔

مندرجہ ذیل رباعی میں امجد انسان بننے کی ترغیب دیتے ہیں ۔

اس نام کی زندگی میں مچھ جان تو ہو
گر بن نہ سکے فرشتہ انسان تو ہو
نیکی نہ ہوئی ہو تو بدی بھی تو نہ کر
صوفی نہ ہوا نہ ہو مسلمان تو ہو

جس طرح فارسی شاعری میں سرمد مشہور ہوئے اسی طرح امجد نے اردو شاعری میں نام کمایا ،سلام سندیلوی اپنی تصنیف " اردو رباعیات " میں لکھتے ہیں ۔

یہ رباعیات روحانی صداقت اور عارفانہ حقیقت
کی بنا پر سرمد کی رباعیات سے ٹکر لیتی ہیں اس وجہ
سے حضرت امجد کو زندہ سرمد کہا جاتا ہے۔[1]

امجد خود بھی ایک رباعی میں اپنے آپ کو " ثانی سرمد " کہتے ہیں ۔
اسد سے متعلق ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

سید احمد حسین ہوں امجد ہوں
حسان الہند ثانی سرمد ہوں
کیا پوچھتے ہو حسب نسب کو میرے
میں بندہ لم یلد ولم یولد ہوں ۔

جس طرح سرمد نے صرف رباعیاں کہیں اور شہرت حاصل کی اسی طرح امجد نے بھی صرف رباعیاں کہیں ۔ اردو شاعری میں صرف رباعی کہنے والا کوئی اور نظر نہیں آتا سبھی نے ضمنا رباعیاں کہیں لیکن امجد نے رباعی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور شہرت حاصل کی ۔ انہوں نے نظمیں بھی لکھیں ہیں لیکن ضمنا وہ بھی رباعی کی بحر میں ہیں ۔ اپنی تصانیف میں جابجا رباعی کا حوالہ دیتے ہیں ۔

ان کا کلام ان کی زندگی کا آئینہ دار ہے جو نئی نسل اور آنے والے لوگوں کے لیے شمع ہدایت بن کر روشن رہے گا ۔

بنیادی طور پر امجد تصوف کے شاعر ہیں ۔ اسی میں انہوں نے فلسفہ ، مذہب عشق اور اخلاق کو بھی پیش کیا ہے۔ ان کی رباعیات میں خارجی دنیا نظر نہیں آتی وہ صرف روحانی دنیا کے تیراک ہیں ۔ جب تک اردو شاعری زندہ ہے تو امجد کا نام بھی زندہ رہے گا ۔

---

[1] اردو رباعیات ، سلام سندیلوی ، صفحہ 511

اثر لکھنوی ۔

اثر بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں ان کی غزلوں میں خاص لکھنئو کی ٹکسالی زبان ملتی ہے۔ لکھنئو کی زبان کی نزاکت اثر کے کلام میں بھرپور ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں نے انہیں مقبولیت دی۔ غزلوں کے علاوہ اثر نے رباعیاں بھی کہیں ہیں ۔ ان رباعیات میں بھی غزلوں کا انداز ملتا ہے ان کی رباعات کا مجموعہ " لالہ وگل " اس کی زندہ مثال ہے ۔

اثر رباعیات کو کوئی خاص موضوع نہیں دیتے بلکہ وہی پرانے موضوعات جن پر تمام رباعی گو لکھ چکے تھے انہیں کو اپنے انداز سے کہا ہے۔ ان کا امتیاز ان کی زبان ہے۔ ان کی رباعیات میں عشقیہ منظر نگاری ، فلسفیانہ، متصوفانہ اور اخلاقی قسم کی رباعیاں ملتی ہیں ۔

اثر کا عشق روحانیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اثر، جوش اور فراق کے ہم عصروں میں سے ہیں ۔ فراق نے اردو رباعی میں ہندوستانی کلچر کو پیش کیا یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن فراق سے پہلے ہمیں اثر کی عشقیہ رباعیات میں ہندوستانی عورت کی تصویر کشی ملتی ہے جو محاکات کی عمدہ مثال ہے رباعی ملاحظہ ہو ۔

سرمہ کا وہ انکھڑیوں سے ڈھلنا ہے ہے
گیسو کا وہ عارض پہ مچلنا ہے ہے
اک نیند کے ماتے کا جمائی لے کر
پھڑکائے ہوئے ہونٹ کا ملنا ہے ہے

اس رباعی کو دیکھکر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اثر کے یہاں کہیں کہیں عشق کا مجرد تصور بھی ملتا ہے ۔ مندرجہ ذیل رباعی عشقیہ رباعی کی عمدہ مثال ہے ۔

لطف و کرم و جور و ستم بھول گئے
عیش و طرب و رنج و الم بھول گئے
اس عشق نے بیگانہ کیا سب سے اثر۔
اک خواب تھا جو دیکھ کے ہم بھول گئے

اثر نے اپنی شاعری میں جگہ جگہ محاکات سے بھی کام لیا ہے۔ جب اثر محاکات کا استعمال کرتے ہیں تو مصور کی روح ان کے اندر اتر جاتی ہے وہ شاعر کے ساتھ ساتھ مصور بھی محسوس ہونے لگتے ہیں ۔ منظر نگاری کی رباعیات پڑھ کر ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ اس قسم کی رباعیات پڑھ کر ان کی وسیع النظری اور دقیق مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی قوت متخیلہ اور مشاہدہ قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل کی رباعی اس بات پر دلالت کرتی ہے ۔

پردے میں کلی کے مسکراتی آئی
آغوش میں گل کے لہلہاتی آئی
انگڑائیاں لیتی ہوئی جاگی ہر شاخ
البیلی بہار گنگناتی آئی ۔

ایک دقیق نظر شاعر فلسفیانہ شاعری ضرور کریگا۔ اور جبکہ رباعیات میں فلسفیانہ موضوع عام رہا ہے۔ ہر شاعر نے تقریبا اس موضوع کو پیش کیا۔ اسی روایت کے تحت اثر نے بھی فلسفیانہ رباعیات کہیں جو اس دنیا کے راز کو منکشف کرتی ہیں۔ انہوں نے شکست و فتح کی اتنی اچھی فلسفیانہ توجیہ پیش کی ہے۔ ذیل کی رباعی میں اس فلسفے کو پیش کیا ہے۔

گذرے ہوئے وقت کا ماتم کیسا
ملنا کف افسوس یہ ہر دم کیسا
ماضی کی شکست فتح مستقبل ہے
وہ دیکھ اڑا ہوا میں پرچم کیسا

اثر بنیادی طور پر کوئی صوفی شاعر نہیں بلکہ انہیں صوفیانہ قسم کی شاعری پر قدرت حاصل ہے وہ عارفانہ موضوعات کو بھی اس حسین پیرائے میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے کوئی صوفی بزرگ کہہ رہا ہو ۔

کھینچتی نہیں تصویر خیال تیری
اللہ اللہ بے مثال تیری ۔
فطرت ہے مرقع تری یکتائی کا
ہر جا ہے مگر جگہ ہے خالی تیری

اثر کی اخلاقی رباعیاں بھی ملتی ہیں ۔ ان کی اخلاقی رباعیوں کا انداز بیان نہایت پر کیف اور سبق آموز ہے کوئی بھی سمجھدار انسان ان کی اخلاقی رباعیوں سے درس لے سکتا ہے۔ ان کی رباعیاں کردار کو سنوارنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں ان کی ایک اخلاقی رباعی ملاحظہ ہو

کب جاہ و جلال پر نظر رکھتے ہیں
یا مال و منال پر نظر رکھتے ہیں
وہ صاحب ظرف ہیں جن کو حاصل ہے کمال
صرف اپنے کمال پر نظر رکھتے ہیں

• اثر کی رباعیاں ایک ماہر فنکار کی رباعیاں ہیں جس میں عروض کی کوئی لغزش نہیں ۔ ان کی رباعیاں اردو ادب میں ایک اہم اضافہ ہیں اور ہمیشہ یاد رکھے جانے والی ہیں ۔

اثر صہبائی ۔

اثر صہبائی وہ خوش نصیب شاعر ہیں جنہیں اپنی زندگی ہی میں شہرت و مقبولیت ملی۔ اس کی وجہ ان کا انداز بیان اور شاعرانہ کمال اور قدرت ہے۔ ان کی شاعری میں ہمیں مختلف شاعروں، رہبروں کا رنگ اور نظریہ ملتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اثر کا اپنا کوئی رنگ نہیں ہے۔ انہوں نے نقالی کی ہے بلکہ انہوں نے ان رہبروں اور شاعروں کے نظریات کو اپنے انداز فکر میں پیش کیا جس سے ان کی شاعری خاص طور پر رباعیاں غیر فانی بن گئی ہیں ۔

اثر ہمیں اپنے ابتدائی دور میں خیام سے متاثر نظر آتے ہیں ان کی ابتدائی رباعیوں میں عمر خیام کا رنگ نظر آتا ہے۔ اسی قسم کی ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

حوران بہشت کی تمنا بے سود
ہنگام شباب زہد و تقوی بے سود
لبریز نشاط ہے چمنستان بہار ۔
باد غم دوش و فکر فردا بے سود

عمر خیام کے علاوہ انہوں نے مغربی شعر و ادب سے بھی مجموعی طور پر اثرات قبول کیے جیسا کہ وہ خود اپنے انتخاب کلام " روح صہبائی" دیباچہ بہ عنوان " پس منظر" میں کہتے ہیں ۔

" مغرب کا کوئی بھی شاعر مجھے خاص طور پر محبوب نہیں رہا لیکن مغربی شعر و ادب کے مجموعی اثرات میرے کلام میں جا بجا ملتے ہیں[1] ۔ "

---

1 ۔ انتخاب کلام " روح صہبائی" دیباچہ بہ عنوان " پس منظر" ص ۔ 6

مغربی شعروادب کے اثرات مطالعہ کی وجہ سے آئے کیونکہ اثر صہبائی بڑے بڑے مفکروں اور شاعروں میں دلچسپی لیتے اور ان کی تصنیفات کو پڑھتے تھے جیسا کہ وہ خود ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ۔

" دنیائے فلسفہ میں شنکرآچاریہ اور ہنری برگسان مجھے خاص طور پر محبوب رہے ہیں ۔ مذہبی شخصیتوں میں سے سری کرشن، مہاتما گوتم بدھ اور حضرت عیسیٰ کے لیے میرے دل میں بہت احترام ہے اور سرورکائنات محمد خدا ہی و ابی کے ساتھ مجھے والہانہ عقیدت ہے۔ مجھے ان تمام انسانوں سے محبت ہے جن کی زندگیاں اشاعت حق و صداقت اور خدمت خلق کے لیے وقف رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب میری زندگی اور شاعری کا اہم ترین عنصر بن چکا ہے۔[1] "

اس کے علاوہ میر، غالب، اقبال اور ٹیگور کی شاعری بھی اثر کو بہت پسند تھی اور حافظ، خیام، رومی، ابو سعید ابوالخیر اور سرمد شہید نے اپنے طریقہ سے اثر کو متاثر کیا ۔ اقبال کے نظریات ان کے رباعیوں میں جابجا ملتے ہیں ۔ ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں اقبال کا نظریہ کار فرما ہے۔

اے حاصل دہر تجھ کو حاصل کی تلاش
اے برلب ساحل تجھے ساحل کی تلاش
تو خضر بھی، منزل بھی، رہ منزل بھی ۔
دھر کی تلاش کر، نہ منزل کی تلاش

اثر کے یہاں ٹیگور کے اثرات بھی جابجا ملتے ہیں۔ ٹیگور بنیادی طور پر فطرت کے شاعر ہیں اثر کے یہاں ہمیں یہ رنگ ملتا ہے۔ ان کی ایک رباعی بطور نمونہ پیش ہے ۔

1۔ لوح صہبائی دیباچہ بہ عنوان پس منظر ص ۔ 7

ہنگامۂ فصل گل ہے ہنگامۂ رنگ
ہے بربط رنگ سے رواں نغمۂ رنگ
میخانۂ رنگ ہے گلستان جہاں
گل ساغر رنگ ہے جہاں بادۂ رنگ

اثر رباعی کے علاوہ نظمیں بھی کہتے تھے لیکن جو ملکہ انہیں رباعی گوئی میں حاصل ہے کسی اور صنف میں نہیں ۔ انہوں نے رباعی کو فن کے عروج تک پہنچایا ہے ۔

اثر کے یہاں رباعی کے کئی رنگ ملتے ہیں ایک رنگ خیام کا اثر لیے ہوئے ہیں جو ابتدائی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ جب ان کی زوجہ کا انتقال ہوگیا اور ان کی دنیا ویران اور تاریک ہوگئی تب ان کی شاعری نے ایک سوز و گداز پیدا کیا ۔ جو کچھ کہا روح کی گہرائیوں سے کہا اور آفاقی بنا دیا ۔ ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں وہ اپنے بیتے ہوئے رنگین دنوں کو یاد کرتے ہیں ۔

آئے گی بہار یوں تو آئے گی بہار
اور نغمہ و رنگ بن کر چھائے گی بہار
بیتے ہوئے میرے دن بھی لوٹ آئینگے کیا
گذری ہوئی محفلیں بھی لائینگی بہار

بقول اثر کے کہ ہری زندگی اور شاعری کا اہم ترین عنصر مذہب بن چکا ہے۔ ان کے اشعار کی پرچھائیں ہمیں ان کے کلام میں ملتی ہے ان کی دو رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

ذکر میں محو صبح و شام ہوں میں
ذکر تیرے سے شادکام ہوں میں ۔
ناک کتنا بلند ہے تیرا ۔
نام لیکر بلند نام ہوں میں ۔

تسلیم و رضاء سے آشنا ہو جانا
گویا ہے خدا کا ہمنوا ہو جانا
جب اس کی رضا تری رضا ہو جائے
ہوتا ہے اکثر یہی خدا ہوجانا

ساغر نظامی ۔

ساغر اردو ادب کے اہم شعراء میں گنے جاتے ہیں۔ جنگ آزادی میں جن شعراء نے حصہ لیا ان میں ساغر کا نام سر فہرست آتا ہے۔ ان کی تمام شاعری اور خاص طور سے نظم کا حصہ جزبۂ وطن پرستی سے بھرا ہوا ہے۔

انہوں نے آزادی ،نغمۂ وطنیت، ہندوستان ، پرچم، قومی گیت اعلان آزادی ،جمہوریت، انقلاب،تجدید بغاوت، جیسی نظمیں لکھیں جن سے ان کی وطن پرستی اور جزبۂ وطنیت کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہندوستان کی مشہور ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس کے تحت انہوں نے بہادر شاہ ظفر، حیدر علی ،ابوالفتح ٹیپو سلطان ،گاندھی ، امام الہند ابوالکلام آزاد ، سید محمود ،جواہر لال ، عبدالغفار خاں،محمد علی ،موتی لال ، وغیرہ کے عنوان سے نظمیں کہیں ۔ اس کے علاوہ ان کے یہاں عشقیہ ،خمریہ ،سیاسی ، اخلاقی اور مناظر قدرت کی بھی عکاسی ملتی ہے۔ ان کی نظموں میں خالصاً ہندوستانی ماحول اور جدید شاعری فارسی کا انداز بھی ملتا ہے۔ ان کی شاعری میں نغمگی اور موسیقیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں ۔ یہ موسیقیت اور نغمگی ساغر کی شاعری کی جان ہے۔ ساغر نے اپنی خوش الحانی سے مشاعروں میں بڑی تعداد میں کامیابی حاصل کی اور یہی خوش الحانی ان کی شہرت کی ضامن بنی۔ خواجہ حسن نظامی ان الفاظ میں ساغر کی آواز کی تعریف کرتے ہیں ۔

آواز ہر قسم کے قدیم و جدید باجوں کو
شرمانے والی نہایت سریلی، بلند اور سامعہ نواز۔1 "

ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں ۔

" ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی بہت موثر ہے
جس میں ان کی خوش الحانی بھی ان کی مدد کرتی
ہے اور بچے، بوڑھے، جوان عورت مرد سب مسحور
ہو جاتے ہیں ۔ 2 "

ساغر کے مجموعۂ کلام میں نظموں کے علاوہ غزلیں بھی کافی تعداد میں ملتی ہیں ۔ ان کی غزلیں بھی تمام خوبیوں کی مالک ہیں، ان کی غزلوں میں لوچ، شگفتگی، سلاست، روانی، موسیقیت، نغمگی سبھی کچھ ملتا ہے غزلوں اور نظموں کے ساتھ ساتھ ساغر کی رباعیات بھی کافی تعداد میں ملتی ہیں ۔ بادۂ مشرق میں مختلف عنوان کے تحت انہوں نے رباعیاں کہی ہیں جن کی تعداد مجموعی طور پر ۵٤ ہے۔ ساغر نے اپنی جوان عمری میں شبابیات کے عنوان سے بھی رباعیاں کہی ہیں جو عشقیہ موضوعات پر مبنی ہیں اس کے علاوہ ساغر کے یہاں خمریہ، فلسفیانہ، سماجی، اخلاقی اس کے علاوہ ہندوستانی کلچر بھی ساغر کی رباعیوں میں ملتا ہے۔
ساغر کی چند خمریہ رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

ساقی پھر چھیڑ دے رباب مستی
پیاسا ہے بہت ابھی خراب مستی
پینا جینا ہے جینا پینا
ہستی کی جوانی ہے شباب مستی

ساغر پینے کو زندگی سمجھتے ہیں اور جوانی میں پینا بھی ضروری سمجھتے ہیں ۔

ہر خم میں سکم تیز ملا دے ساقی
باقی جتنی ہے سب بہا دے ساقی
تعمیر سرود روز بغیر ساغر
میخانہ کو مقبرہ بنا دے ساقی

1۔ بادۂ مشرق دیباچہ خواجہ حسن نظامی ۔ ص 27
2۔ " " " " ص 30

عالم کو شراب کیف و مستی کردے
غرق میناب غم کی بستی کردے
بہتی پھرے کائنات تنکے کی طرح
جتنی ممکن ہو آج سستی کردے

ساغر اپنی غم کی بستی کو شراب میں دبونا چاہتے ہیں اور وہ ساقی سے التجا کرتے ہیں ۔ ساغر کی خمریہ رباعیوں میں صرف شراب کا ہی ذکر نہیں ہے بلکہ وہ خمریہ انداز میں زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو بھی پیش کرتے ہیں ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں ساغر فلسفیانہ انداز اختیار کرتے ہیں ۔ عروج و زوال کے نکتہ کو پیش کرتے ہیں ۔

میرے حالات پر نہ جا ساقی
ہاں پلا جام مے پلا ساقی ۔
ارتقاء کر ہے انتہائے زوال
ہے تنزل بھی ارتقاء ساقی ۔

ایک اور رباعی ملاحظہ ہو جس میں ساغر محبت و اخلاص کا پیغام ساقی کے ذریعہ دیتے ہیں ۔

اخلاص کا دنیا میں اجالا کردیں
الفت کا جہاں میں بول بالا کردیں
جام زریں بلند کر اے ساقی ۔
معدوم کو میکدے سے پیدا کر ۔

ان کی خمریہ رباعیات میں صرف ساقی ،خم، ساغر، صبو کا ہی ذکر نہیں ہے بلکہ انہوں نے فلسفیانہ نکتے بھی پیش کیے ہیں جس سے ان کی وسعت فکر اور عمیق نظری کا پتہ چلتا ہے۔

ساغر کے یہاں فلسفیانہ رباعیات بھی ملتی ہے۔ ان کی فلسفیانہ رباعیات میں وہی موت و حیات اور ہستی کا فلسفہ ملتا ہے لیکن ان کا فلسفہ دوسرے شعراء سے جدا ہے۔ ساغر موت کو کیف و سرور میں ایک وقفہ سمجھتے ہیں ان کا نظریہ ہے کہ انسان دنیا میں شرافت اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔

ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں ساغر موت کو کیف و سرور کا وقفہ بتاتے ہیں کہتے ہیں یہ ہستی کا کارواں تھوڑا دم لے کر پھر چ چلے گا۔

ہوتی نہیں ختم داستان ہستی
مٹتا نہیں حشر تک نشان ہستی
ہے موت بھی ایک وقفہ کیف و سرور
دم کے لیے چلے گا کاروان ہستی ۔

ساغر کا خیال ہے کہ دنیا کی صعوبتوں سے انسان کو گھبرانا نہیں چاہئے، بلکہ ان کا جواں مردی سے مقابلہ کرنا چاہئیے۔ وہ لوگ بزدل اور کاہل ہوتے ہیں صرف دعا کرتے ہیں تدبیر نہیں کرتے۔ اسی سلسلے کی ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

آنسو راتوں کو یوں بہانا ہے فرار
تاصبح خلا میں گڑگڑانا ہے فرار ۔
ہے زندگی زندگی سے ٹکر لینا ۔
گھبرا کے دعا کو ہاتھ اٹھانا ہے فرار

ساغر آنسو بہانے کو راہ فرار بتاتے ہیں اور زندگی کی پریشانیوں اور مشکلوں ٹکر لینا زندگی کی دلیل سمجھتے ہیں ۔

ان کا فلسفہ حیات جدوجہد، کوشش، تدبیر، عمل، مساوات کا فلسفہ ہے۔جو ساغر سب ہی انسان میں برابر دیکھنا چاہتے ہیں ۔ وہ تحریک اور جدوجہد کی ترغیب دیتے ہیں، حالات کو دیکھتے ہیں انسان کو

بدل جانا چاہئیے یہ ان کا فلسفہ حیات ہے۔

ساغر کے یہاں عمدہ قسم کی سماجی رباعیاں ملتی ہیں ۔ انہوں نے اپنے دور کے سماج کا بخوبی جائزہ لیا ہے۔ انہیں اپنے سماج میں مذہب کے نام پر تفریق نظر آتی ہے جسکو وہ ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ ساغر اپنے قلم سے سماج کے رستے ہوئے ناسوروں کو کریدتے ہیں تاکہ اس کی گندگی نکل جائے اور یہ سماجی ناسور ٹھیک ہو جائے۔ مذہب کو وہ جھگڑے کی جڑ سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو ہر مذہب سے علاحدہ کرتے ہیں اور صرف انسان متصور کرتے ہیں ۔

ان کے یہاں مندر، مسجد سب دھوکہ ہے فریب ہے جو اس دنیا میں رہنے والے انسانوں کو فریب میں مبتلا رکھتا ہے اور انسانیت سے دور کرتا ہے اور لڑائی کی وجہ بنتا ہے۔ ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں وہ مندر اور کعبہ دونوں کو غلط گردانتے ہیں اور انسانیت کے لیے گمراہ کن متصور کرتے ہیں ۔

مندر اڑ جائیں موج خوشبو کی طرح
بہہ جائیں کعبے نم آنسو کی طرح
کسی بت کا شکار ہوں اگر یہ کہدوں
آمادۂ رم حرم ہو آہو کی طرح

ساغر ایک رباعی میں انسانوں کو مندر و مسجد کا غلام بتاتے ہیں اور وہم کے غلام ہیں تمام عالم کو کعبہ بتاتے ہیں ۔

مندر کا غلام کوئی مسجد کا غلام
دنیا والے ہیں بندگان اوہام
فطرت ہے امام کائنات اے ساغر
عالم ہے تمام کعبہ، کعبہ ہے تمام

ایک رباعی میں دنیا کو بت خانہ اور دنیا میں رہنے والے لوگ بت گر ہیں مولوی، پنڈت، صوفی، رہبر کو وہم کے بت بتاتے ہیں۔

یہ کعبہ و دھریہ کلیسا مندر
یہ مولوی پنڈت اور صوفی رہبر
کچھ وہم کے بت ہیں اور کچھ پتھر کے
عالم بت خانہ اہل عالم بت گر

ساغر اپنے سماج کی برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایک ہمدرد انسان کا دل رکھتے ہیں جو کسی کی پریشانی اور ناانصافی پر افسردہ ہوجاتا ہے۔ ساغر قوم میں برابر اور مساوات برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور اس کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ ہندوستانی اخلاص کو دور کرنے کی کوشش کرتے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب مساوات ہو۔ انسان ہنسی خوشی زندگی گذارے جہاں مذہبی تفریق مٹ جائے۔ ساغر ایک صحت مند سماج کے لیے کوشاں ہیں اور پورے سماج کے لیے کوشاں ہیں اس لحاظ سے ان کی سماجی رباعیاں اہمیت کی حامل ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے کے لائق ہیں۔

ساغر کے یہاں ہمیں اخلاقی رباعیاں بھی ملتی ہیں لیکن ان کی تعداد نا کے برابر ہے زیادہ زور سماج پر پایا جاتا ہے۔

ساغر مندر و مسجد کو مٹا کر فرق مٹانا چاہتے ہیں۔ انسانوں کو انسان بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ آدمی بن کر بھی انسان کچھ نہیں بن سکا۔ ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں بدیہی مضمون ملتا ہے۔

نقش دیر و حرم مٹانا ہے مجھے
معبد بالکل نیا سجانا ہے مجھے
کچھ بن نہ سکا یہ آدمی بنکر بھی
انسان کو انسان بنانا ہے مجھے

ان کی ایک اور رباعی ملاحظہ ہو جس میں ساغر اخلاص و محبت کا پیغام دیتے ہیں ۔

اخلاص کا دنیا میں اجالا کردیں
الفت کا جہاں میں بول بالا کردیں
جام زریں بلند کر اے ساقی ۔
محدوم کو میکدے سے پیدا کردیں

ساغر تفریق نہیں بلکہ مساوات اور انسان کے دل میں ایک دوسرے کے لیے جزبۂ ہمدردی ابھارنا چاہتے ہیں ۔ ان کی کوشش ہے کہ دنیا کے تمام انسان خوش حال رہیں ۔

جوش ۔

جوش اردو شاعری میں اہم اور منفرد حیثیت کے حامل ہیں ۔ انہوں نے غذل ،نظم، مرثیہ اور رباعی میں غیر معمولی کارنامے انجام دیے ہیں اگر ان چاروں اصناف میں سے کسی ایک کو لےکر جوش کا مطالعہ کیا جائے یا ان کے نظریۂ شاعری کو پرکھا جائے۔ ان کی فکر ،تخئیل موضوعات کے تنوع کو دیکھا جائے تو ہر صنف اپنی جگہ ایک مقام اور اہمیت رکھتی ہے جوش کی شہرت کی ضامن کوئی بھی صنف ہو سکتی ہے

یوں تو جوش نے قطعات ،سلام، مخمس، مسدس اور مثلث وغیرہ پر بھی طبع آزمائی کی ہے جو صنف نظم کی مختلف ہئیتیں ہیں لیکن نظم، مرثیہ اور رباعی کو انہوں نے خاص طور پر اپنے دامن فکر میں جگہ دی۔ ان تینوں اصناف کو جوش نے تعداد اور موضوعات کے تنوع کے اعتبار سے جو کچھ دیا وہ ان سے قبل کوئی بھی شاعر نہ دے سکا ۔

جوش نے رباعی کو متحرک اور رقصاں بنا دیا ۔ جوش کی رباعیات میں متنوع موضوعات ،خیال کی گہرائی و گیرائی ، زبان و بیان پر حاکمانہ قدرت اور فنکاری کا بھرپور تصور ملتا ہے۔ جوش نے اردو رباعی کو جو مقام بخشا

وہ مقام رباعی کو ساری عمر نصیب نہ ہوتا۔ جوش رباعی نگاری کو دنیا میں تابندہ اور درخشاں ستارہ ہیں۔

جوش سے پہلے بھی رباعیاں کہی جاتی رہی ہیں لیکن ان رباعیوں کی ایک مخصوص ڈگر تھی جس پر ہر شاعر چلنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ موضوعات مختصر تعداد کے اندر مسدود تھے جن کو ہر بار معمولی سی تبدیلی کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا۔ فکر و خیال کی ندرت اچھوتے پن کو اور اس کے اندر چھپی ہوئی وسعتوں اور لا محدود گنجائش کا اندازہ لگاکر اس کے ساتھ بھر پور انصاف نہیں کر سکے۔ فکر و فن کی تابناکیاں خون جگر سے روشن ہوتی ہیں جو ان شاعروں کے بس کی بات نہیں تھی یہ تو صرف فرسودہ اور وہی گھسے پٹے بے بقائی دنیا اور عبرت و اخلاق کے چند مضامین پر طبع آزمائی کرکے فرض سے سبکدوش ہوتے رہے اور اپنے مجموعے کلام میں اصناف شاعری کی تعداد میں اضافہ کرتے رہے۔ جوش کے ہم عصروں میں امجد حیدرآبادی، یاس یگانہ، تلوک چند محروم، وغیرہ شامل ہیں۔ محروم نے اردو رباعی کو کوئی خاص جلا نہیں بخشی وہی روایتی موضوعات کو قلم بند کیا کسی بھی اعتبار سے رباعی کے دامن کو وسیع تر نہیں کیا۔ یاس نے صرف اخلاقی اور عبرت کے مضامین کو ہی قلم بند نہیں کیا بلکہ زندگی کے چند دوسرے مفاہیم بھی شامل کیے لیکن یگانہ ان نئے اندازوں کو فراخ دلی سے اپنے دامن میں جگہ نہ دے سکے اور اردو رباعی کو جو کچھ دے سکتے تھے نہ دے سکے صرف ایک غیر متعین آہنگ دے کر خاموش ہوگئے۔ امجد اپنی ساری قوت و توانائی اور پوری کیفیت و جگر کاوی کے بعد بھی موضوع و مواد کے اعتبار سے اپنے پیش رو رباعی نگاروں سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ ان کا نام صرف اسی لیے رباعی نگاری کی دنیا میں اہم حیثیت رکھتا ہے کہ وہ صرف اور صرف رباعی گو شاعر تھے۔ ان کی زندگی

رباعی نگاری کے گرد گھومتی رہی انہوں نے رباعی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا اور رباعی ہی امجد کے یہاں حاصل کلام کا درجہ رکھتی ہے۔ افسوس اتنی جانفشانی کے باوجود بھی بڑے رباعی گو بن نہیں سکے ۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ اردو میں جوش سے قبل تبرک کے طور پر کہی جاتی تھی ۔ اس کو مستقل طور پر کسی نے نہیں اپنایا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا تھا کہ رباعی کی قوت ،اثر انگیزی اور عظمت و وسعت کے امکانات لوگوں کی نظر سے اوجھل رہے۔ جوش نے رباعی کو بھی اسی مستقل مزاجی سے اپنایا جس طرح نظم کو وہ اس سے قبل اپنا چکے تھے۔ انہوں نے جتنی رباعیاں اردو ادب کو دی ہیں اتنی بہ لحاظ تعداد و موضوعات اردو کے سب رباعی نگار بھی شاید نہ دے سکے۔ جوش کے یہاں صنف رباعی ہئیت و موضوع دونوں اعتبار سے کچھ سے کچھ ہوگئی اور ہر قسم کے خیالات کو سمونے کی اسمیں گنجائش اور طاقت و صلاحیت پیدا ہوگئی ۔

جوش نے رباعی کو نئے اسلوب ، نئے آہنگ، نئے انداز، تخئیل کی نئی پرواز اور جزبے کی نئی آنچ سے آشنا کیا۔ جہاں تک رباعی ہئیت و ٹیکنیک کا تعلق ہے جوش کی رباعیاں یہاں اسکیموں پر بھی پوری اترتی ہیں کیونکہ نظم کی طرح ان کے لیے ہمیں مغربی لٹریچر سے نمونے یا اس قسم کی کوئی چیز نہیں ملی یہ انداز فارسی سے ملا اور وہ اپنے اوزان کے لحاظ سے مقرر ہیں لیکن جوش نے رباعی کی فنی حیثیت کو حدود میں رہ کر بڑھایا ہے اور اس کی ٹیکنیک کی حدود کو وسیع تر کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے رباعی میں ایک ایسا " ڈرامائی انداز" شامل کیا ہے جو اس سے پہلے اردو رباعی میں مفقود تھا۔ انہوں نے ایک نرالا انداز و آہنگ تعمیر کیا۔ اس انداز و آہنگ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

گلشن سے بصد رنج و تعب جاتی ہوں
صد حیف کہ ہنگام طرب جاتی ہوں
پھوٹی جو کرن تو گل نے پونچھا کیا ہے
شبنم نے کہا سلام اب جاتی ہوں

اک آن ٹھہر ہوش میں پھر آتی ہوں
پل بھر میں نظر پہ رنگ برساتی ہوں
ہے ہے مرجھا گئی اندام کلی
کیوں کھلتا ہے لے پھول بنی جاتی ہوں

جی ہاں مسجد یہیں ہے آگے بڑھکر
حاجی غفار کی دکاں کے اوپر
لیکن ، لیکن جناب لیکن کیسی
میں پوچھ رہا تھا کہ ہے میخانہ کدھر

یہ رات گئے عین طرب کے ہنگام
پرتو یہ پڑا پشت سے کس کا سرجام
یہ کون ہے، جبرئیل ہوں کیوں آئے ہو
سرکار فلک کے نام کوئی پیغام

جو جلوہ صد رنگ جوش کے یہاں ملتا ہے اس تنوع اور وسعت کے سامنے فارسی ادب کا زخیرہ رباعیات بھی کچھ نہیں ۔ جوش کے یہاں حکیمانہ ، فلسفیانہ ، رندانہ ، عاشقانہ ، سیاسی ، اخلاقی ، انقلابی ، مناظر فطرت ، مذہب نفسیات انسانی اور دیگر تجربات زندگی غرض حیات و کائنات کا شاید ہی کوئی نکتہ اور پہلو رہا ہو جو رباعی میں انتہائی حسن و خوش اسلوبی

کے ساتھ نہ موجود ہو۔ رباعی میں جوش نے طنز و ہجویہ انداز کو بھی پوری طرح سے برتا ہے۔ ان مضامین کو دیکھ کر اور پڑھ کر جوش کی عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ جوش کی ایک ہجو اور طنزیہ رباعی ملاحظہ

اس گردن کوتاہ پہ ریش دراز
جیسے لب نہر کوئی اونٹھی ہوئی قاز
منبر پہ کھولتا ہے منہ قاضیٔ شہر
آتی ہے مثال للی کی آواز۔

جوش کی زندگی میں تضاد بہت اہمیت کا حامل ہے اگر جوش کے مجموعوں کو ہی دیکھا جائے تو تمام مجموعوں کے نام متضاد تراکیب سے بنائے گئے ہیں جیسے شعلہ و شبنم، آیات و نغمات، قطرہ و قلزم، رامش و رنگ، سموم و صبا، جنون و حکمت، فکرو نشاط، سیف و سبو، سنبل و سلاسل، سرود و خروش، ان مجموعوں کے ناموں کی تراکیب کے علاوہ ہمیں جوش کے نظریات اور ان کی رباعیوں میں بھی تضاد اور تصادم ملتا ہے۔ ان کے متضاد خیالات کی رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

وہ کفر کی تکرار کیے جاتا ہے
یہ دین پر اصرار کیے جاتا ہے
اک عمر سے انکار پہ مائل ہے دماغ
اور دل سے کہ اقرار کیے جاتا ہے

مندرجہ ذیل رباعی میں جوش خود اپنے اندر دو دل ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

جھکتا ہوں کبھی ریگ رواں کی جانب
اڑتا ہوں کبھی کاہکشاں کی جانب
مجھ میں دو دل ہیں اک تو مائل بہ زمیں
اور ایک کا رخ ہے آسماں کی جانب

جوش کے یہاں پائے جانے والے تمام موضوعات کی مثالیں ملاحظہ ہوں سیاسی و سماجی قسم کی رباعیوں میں جوش نے معاشرے کی ان کمزوریوں کو بیان کیا ہے جنہیں سن کر انسان کی روح جھنجھنا اٹھتی ہے۔ رباعی ملاحظہ ہو ۔

تقدیر کی یہ دروغ بانی افسوس
برتاؤ یہ رحمت کے منافی افسوس
فاقے کا شکار ہیں کروڑوں بندے
اللہ کا یہ وعدہ خلافی، افسوس

وابستہ ہر ایک فرد آفات سے ہے
روزی سے یہ تنگ، وہ خیالات سے ہے
تو جسکی طرف چلا ہے حاجت لے کر
وہ سوختہ جاں بھی اہل حاجات سے ہے

آلے ہیں سیاست و جہاں بانی کے
پٹھو ہیں گروہ زشت شیطانی کے
اے قبلہ رساں دار میجر صاحب
بکرے ہیں مگر حضور قربانی کے

جوش کی اخلاقی رباعیاں انسانی کردار اور اخلاق کو درست کرنے میں معون و مددگار لگتی ہیں ان کی اخلاقی رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

طالب نہیں اس کا کہ مدارات کرو
اخلاق کے ساتھ تو ملاقات کرو ۔
حیواں ہو اگر جاؤ چرو دشت میں گھاس
انساں ہو تو انساں کی طرح بات کرو

ہر رنگ میں ابلیس سزا دیتا ہے
انساں کو بہرطور دغا دیتا ہے
کر سکتے نہیں کہہ جو احمق ان کو
بے لوح نمازوں میں لگا دیتا ہے۔

انسان کو بہت محنت و جانفشانی کے بعد صلہ ملتا ہے۔ اس خیال کو ایک ذاتی رباعی میں جوش نے اس طرح پیش کیا ہے۔

دکھ شعر سے بے حساب پائے میں نے
ہر سانس میں سو عذاب پائے میں نے
اگلے جب بحرِ دل سے سو لعل و گہر
تحسین کے کچھ حباب پائے میں نے

مجبور ہوں منھ موڑ نہیں سکتا ہوں
رشتے ہیں قوی توڑ نہیں سکتا ہوں
احباب میں منجملۂ عادات قبیح ۔
واقف ہوں مگر چھوڑ نہیں سکتا ہوں

جوش نے متعدد رباعیاں فلسفیانہ موضوعات پر لکھیں ۔ انہوں نے فلسفے کو رباعی کی رو میں پیوست کردیا جوش نے فلسفۂ خودی، فلسفۂ فن و پیری، فلسفہ غم، فلسفہ علم و عقل، فلسفۂ جبر و اختیار وغیرہ موضوعات کو رباعیات میں سمویا ہے جوش کی چند مختلف قسم کی فلسفیانہ رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

ہر بات پہ منہ ترا اترتا کیوں ہے
جینے کے لیے بنا ہے مرتا کیوں ہے
کونین کے ساتھ کھیل اے طفل حیات
کونین خود اک کھیل ہے ڈرتا کیوں ہے

گھٹ کر کوئی نہ کوئی بڑھ کر نکلا
درویش زبوں نہ شاہ بہتر نکلا ۔
دنیا کے غم و خوشی کو تولا جس وقت
میزان میں ہر فرد برابر نکلا ۔

دل ہوتا ہے رو براہ گاہے گاہے
رو لیتے ہیں بھر کے آہ گاہے گاہے
اس ڈر سے کہیں خودی نہ بن جائے خدا
کر لیتے ہیں ہم گناہ گاہے گاہے۔

پیری کی ہوا کون کا لائی پیغام
سینے سے اکھڑ رہے ہیں پھولوں کے خیام
غلطاں ہیں مہ و سال کی کرنیں سر پر
اے شمع حیات و شبنم عمر سلام ۔

یہ عمر دو روزہ کہ ہے مانند سراب
اک خندۂ غم ہے اک سکون بیتاب
ہا سایہ ہے یہ میان ہستی و عدم
یا وہم ہے اک میان بیداری و خواب

کھلتا نہیں بھید زندگانی کیا ہے
یہ پیری و طفلی و جوانی کیا ہے
اک حادثہ اتفاق یا اک صنعت
معلوم نہیں حیات فانی کیا ہے

جوش کو شاعر انقلاب اور شاعر شباب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے
جوش کی عشقیہ رباعیوں میں ہمیں فراق کا سا انداز ملتا ہے۔ جوش نے
متعدد عشقیہ رباعیاں کہیں ہیں ۔ جنون و حکمت میں " حسن و عشق"
کے عنوان سے رباعیاں ملتی ہیں ۔ یہ عشقیہ رباعیاں مادی اور دنیاوی عشق
سے تعلق رکھتی ہیں ۔ جوش کی عشقیہ رباعی میں ہم ان کے محبوب کو
سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اور اس کے تمام اعضائے جسمانی کو محسوس کر
سکتے ہیں ۔ کہیں جوش اپنے محبوب کی آنکھوں کا ذکر کرتے ہیں ، کہیں
زلف کی تعریف، کہیں ہونٹوں کا ابھار ان کا مرکز نظر بنا ہے۔ کہیں اس
کی نگاہیں ندی کا اتار محسوس ہوتی ہیں غرض کہ جوش کا محبوب گوشت
پوست کا بنا ہوا ہے جو جوش کے دل کو بیقرار کیے رہتا ہے۔ جوش کی
عشقیہ رباعیاں ملاحظہ ہوں جس میں جوش کی تمام عاشقانہ کیفیات سامنے آجاتی
ہیں ۔

صحرا میں چھری سی دل پہ چل جاتی ہے
ہر سانس کلیجے کو مسل جاتی ہے
حیراں ہوں کہ کس طرح گلوں کی خوشبو
رخسارۂ جاناں میں بدل جاتی ہے۔

گذرے ہوئے لمحوں کے نظاروں کو نہ چھیڑ
بچھڑی ہوئی راتوں کے شراروں کو نہ چھیڑ
جگ بیت چکا ہے دل میں ڈوبے جن کو ۔
اے موج نسیم ان ستاروں کو نہ چھیڑ

مندرجہ ذیل رباعی خالص ہندوستانی ماحول کی عکاسی کرتی ہے اور خاص طور
پر گاؤں کی برہا کی ماری عورت جس کا پتی پردیس میں ہے وہ برسات
میں بادل سے مخاطب ہے۔ جوش نے دیہاتی زندگی کے ماحول کا مطالعہ

بخور کیا ہے کیونکہ خود جوش دیہات کی پیداوار تھے۔ یہی وجہ ہے
کہ ہمیں جوش کی شاعری کا بڑا حصہ دیہاتی ماحول اور منظر سے بھرا
ملتا ہے -

ناگن بن کر مجھے نہ دسنا بادل
باراں کی کسوٹی پہ نہ کسنا بادل۔
وہ پہلے پہل جدا ہوئے ہیں مجھسے
اس دیس میں اب کے نہ برسنا بادل

تم دور ہو کس طور سے بلواؤں تمہیں
کون ایسا جتن کروں کہ پاجاؤں تمہیں
بادل میں گرج ہے اور ہوائیں پر شور
ایسے میں کہاں سے ڈھونڈھکر لاؤں تمہیں

یہ بال سیاہ یہ گال گورے گورے
مکھڑے پہ یہ موج بادہ کے ہلکورے
غنچوں پہ مچل رہی ہیں کرنیں گویا
آنکھوں میں ہیں غلطیدہ گلابی ڈورے

اللہ رے بد مست جوانی کا نکھار
ہر نقش قدم پہ سجدہ کرتی ہے بہار
اس طرح وہ گامزن ہے فرش گل پر
پڑتی ہے ہری دوب پہ جس طرح پھوار

جوش خیام، اردو کہلاتے ہیں ۔ یہ حقیقت ہے کہ جوش جیسے
بلانوش شخص خیام سے حد درجہ متاثر نظر آتے ہیں ۔ جوش کی خمریہ
رباعیاں بہت اہم ہیں ۔ شاعر شباب کا شباب عشق اور شراب دونوں سے
مرتب ہوا ہے ۔ شراب جوش کی زندگی کا اہم حصہ ہے اگر جوش کی

زندگی سے شراب کو نکال دیا جائے تو کچھ باقی نہیں بچے گا۔ جوش شاعر شباب کہلائے ہی ہیں اپنی عشقیہ اور خمریہ شاعری کی بنا پر۔ شغل مے جوش کی جان ہے اس کا استعمال جوش باقاعدگی سے کرتے ہیں۔ شراب پینے کے ان کے اوقات مقرر ہیں۔ ایک جگہ وہ خود رباعی میں کہتے ہیں۔

دل کی جانب رجوع ہوتا ہوں میں
سرتابقدم خضوع ہوتا ہوں میں
جب مہر مبیں غروب ہوجاتا ہے
پیمانہ بکف طلوع ہوتا ہوں میں۔

خوشوں سے ٹپک رہا ہے شبنم ساقی
فانوس ستاروں کے ہیں مدھم ساقی
ہاں جلد اٹھا جام کہ اب بزم نشاط
اک آن میں ہے درہم و برہم ساقی

ہشیار کہ دل سے تاب و تب جاتی ہے
آغوش سے لہلائے طرب جاتی ہے۔
ساقی غم و صبح و ضکر فردا تا کے
دینا ہے تو دے جام کہ شب جاتی ہے

ان رباعیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جوش رات شروع ہونے سے لیکر صبح ہونے تک مے سے شغل جاری رکھتے تھے۔ اسی کے ساتھ ان کے پہلو میں معشوقۂ نوخیز موجود رہتی ہے اس موضوع سے متعلق ایک رباعی ملاحظہ

وہ رات گئے شراب ڈھلنا ہے ہے
وہ پچھلے پہر صبا کا چلنا ہے ہے
معشوقۂ نوخیز کا وہ رہ رہ کر۔
آنکھوں کو ہتیلیوں سے ملنا ہے ہے

وحدت کو ہے نا نزیر کثرت ساقی

ہر جشن کو درکار ہے جلوت ساقی

زاہد کی نماز ہو کہ رندوں کی شراب

دونوں کا مزا ہے باجماعت ساقی۔

ان تمام رباعیوں سے ہمیں جوش کی مے پرستی کے اصولوں کا پتہ چلتا ہے۔ جوش نے اپنے غم اور مسائل کا حل شراب میں تلاش کیا ہے۔ وہ دین کے حقائق سے کترا کر ساقی کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں اور اس سے دل کے زخم بھرنے کی دوا مانگتے ہیں۔

جو غم نہ دیکھیے وہ نظر دے ساقی

انگور سے دل کے زخم بھردے ساقی

قاتل اگر کوئی چیز ہے تو احساس لطیف

اس تیغ کی باڑھ کند کردے ساقی۔

شراب پینے کے بعد جوش یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے اوپر اسرار عیاں ہو رہے ہیں۔ حقائق اشیاء سے باخبر ہوتے ہیں اور تمام عالم انہیں اپنے قدموں میں محسوس ہوتا ہے حد یہ ہے کہ وہ نبض کو نہیں دیکھ لیتے ہیں، کہیں وہ جبرئیل کی آواز سنتے ہیں غرض ان کے اندر عارف کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔

سجدے کا فلک کو حکم دیتا ہوں میں

جوئے حق میں سفید کھیتا ہوں میں

جس وقت سبو ہاتھ میں آجاتا ہے

نبض کونین دیکھ لیتا ہوں میں

اسرار زباں کھول رہے ہیں ٹھہرو
نشے کو میرے تول رہے ہیں ٹھہرو
اے نغمہ گراں بارگاہ ساقی ۔
جبریل امیں بول رہے ہیں ٹھہرو

جوش کی رباعیات ان کے مختلف مجموعوں میں مختلف عنوان کے تحت درج ہیں جنون و حکمت میں خمریات کے عنوان سے جو رباعیاں ہیں وہ خالص خمریہ موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں ۔ انہیں جوش نے خیام کے نام لکھا ہے۔ اس کے علاوہ آیات و نغمات ، سموم و صبا ، سیف و صبو ، وغیرہ میں جوش کی ہر رباعی ایک نیا اور انوکھا انداز لیے ہوئے ہے۔ شراب سے متعلق جوش نے بہ لحاظ تعداد بہت رباعیاں کہیں ہیں اور تازگی اور نئے پن کو برقرار رکھا ہے جیسا کہ ان کی رباعیات سے ظاہر ہے۔ جوش نے شیخ اور زاہدوں کے بھی پردے فاش کیے ہیں ۔

کیا فائدہ شیخ تجھ سے کہنے میں مجھے
خشکی میں تجھے لطف سفینے میں مجھے
عیاش تو دونوں ہیں مگر فرق یہ ہے
کھانے میں تجھے مزا ہے پینے میں مجھے

میکش کا سرور کج کلاہی بہتر
یا شیخ کا کبر حق پناہی بہتر
طاعت بہ ریا و بادہ نوشی بہ خلوص
دونوں میں ہے کون شے الٰہی بہتر

کیا شیخ ملے گا گل فشانی کرکے
کیا پائے گا تو ہین جوانی کرکے
تو آتش دوزخ سے دراتا ہے انہیں
جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کرکے

مندرجہ بالا رباعی سے جوش کی بے باکی اور شیخ سے نوک جھونک کا اندازہ ہوتا ہے ۔

برسات جوش کے لیے فضا کو رومان انگیز بنا دیتی ہے۔ برسات یہ موسم وصل، محبوب اور شراب سے خاص تعلق رکھتا ہے جوش نے اسکیفیت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ گھٹائیں اور بارش دیکھ کر جوش کی مے نوشی میں اضافہ ہو جاتا اور مے کا نشہ بھی دوچند محسوس ہوتا ہے۔

بیلوں پہ چھلک رہی ہیں بوندیں ساقی
خوشوں سے ٹپک رہی ہیں بوندیں ساقی
دے جام کہ برگ ہائے سبزہ تر ہے
رہ رہ کے کھنک رہی ہیں بوندیں ساقی

میداں میں ہیں چھٹ پٹے کے بادل ساقی
بجنے ہی پہ ہے رعد کی چھاگل ساقی
بھردے مے پیمانہ زریں میں شراب ۔
قبل اس کے کہ ابر بھر دے جل تھل ساقی

باغوں پہ چھائی جوانی ساقی
سنکی وہ ہوائے زندگانی ساقی
ہاں جلد اونڈیل جلد بہتی ہوئی آگ
آیا وہ برستا ہوا پانی ساقی

خیام کے یہاں شراب علامت ہے اور جوش کے یہاں حقیقت ۔ اس کے علاوہ جوش اور خیام کی خمریہ رباعی میں کوئی فرق نہیں ۔ حسن و عشق اور شراب کی مختلف کیفیات کے بیان جوش نے جس کثرت اور جس لطف سے کیے ہیں اردو رباعی کے سارے سرمائے میں اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا ۔

رواں کے بعد جوش کی منظر نگاری کی رباعیاں قابل توجہ اور اہم ہیں ۔ یوں تو سبھی مضامین کو تمام رباعی گو نے برتا ہے لیکن ہر شاعر کا اپنا ایک خاص موضوع ہیں جس میں جان ڈال دی گئی ہے۔ جوش نے تمام موضوعات کے ساتھ منظر نگاری کے موضوع پر بھی قلم اٹھایا۔ جوش نظم کے شاعر ہیں اور نظم کے لیے منظر نگاری لازم و ملزوم ہے۔ نظم کا نام لیتے ہی منظر نگاری میں حسن ، قدرتی منظر کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے جوش نے فطرت کا مطالعہ بغور کیا ہے ان کا مشاہدہ عمیق ہے۔ ان کا یہی مشاہدہ اور فطرت کا مطالعہ ہمیں جابجا رباعیات میں نظر آتا ہے۔ ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں صبح کے طلوع ہونے کا منظر پیش کیا ہے۔

منھ نور سے روح دھو رہی ہے ساقی
سچے موتی پرو رہی ہے ساقی
دوکان جواہر میں چراغاں جیسے
یوں صبح طلوع ہو رہی ہے ساقی

ایک رباعی میں بارش کی گھن گرج کا ذکر اس طرح کرتے ہیں ۔

یہ برق کا پیچ و تاب باراں کا یہ زور
یہ گونج، گرج، یہ کھڑ کھڑاہٹ، یہ شور
صد شکر، کہ آج زہر موج باراں
نشہ ہے گھٹا ٹوپ شرابیں گھنگھور

برسات شروع ہونے سے پہلے جس طرح کا سکوت اور جس تمام جگہ ہوتا ہے ایک رباعی میں اس کا بیان کرتے ہیں ۔

برسات کا حبس ہے چمن ہے بے ہوش
شاخوں میں لچک ہے نہ ہواؤں میں خروش
آپس میں ہے بات چیت گویا موقوف
اس طرح کھڑے ہوئے ہیں پودے خاموش

سحر کے وقت کی کیفیت کو مختلف تشبیہہ و استعارہ سے اس طرح بیان کیا ہے۔

سمجھاؤں کن الفاظ میں تم کو ہم راز
اللہ رے سحر کے وقت کا سوز و گداز
اس طرح چٹکتی ہیں چمن میں کلیاں
اطفال کی ہچکیوں کی جیسے آواز ۔

جوش کی ایسی رباعیاں بھی بہت اہم ہیں جن کا تعلق صرف ہندوستانی ماحول سے ہے ایرانی ماحول سے بالکل نہیں ۔ جوش کی بعضی عشقیہ رباعیاں بھی ایسی ہیں جن میں ہمیں صرف ہندوستانی ماحول اور پس منظر دکھائی دیتا ہے ۔ ایرانی ماحول سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جوش سے پہلے ساغر کے یہاں بھی ہمیں اس قسم کی رباعیاں ملتی ہیں گو کہ ان کی تعداد نہایت مختصر ہے ۔

ساغر نے تو ہندو کلچر کو بھی اپنی رباعیوں میں سمویا ہے۔ جوش کے یہاں ہندی الفاظ ہندوستانی پس منظر جہاں لچھمن رام پائے جاتے ہیں موجود ہے۔ جوش کی رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

ہاں لچھمن و رام نے دھلپکائے آیاغ
وہ دل ہوئے بے قرار کانپی وہ دماغ
شعلوں کو ہے دوش پھسنکی وہ ہوا
طاق دامن کے جھلملائے وہ چراغ

ہندی اور فارسی الفاظ کا اتنا حسین امتزاج شاید ہی کسی شاعر کے یہاں ملے۔ مندرجہ بالا رباعی جوش کے ہندی اور فارسی امتزاج کی عمدہ مثال ہے دو رباعی اور ملاحظہ ہوں جس میں صرف ہندی الفاظ ،ہندوستانی ماحول اور کلچر ملتا ہے ۔

ہر نس میں پری تھرک رہی ہے ساجن

من کی دیوی چہک رہی ہے ساجن

رگ رگ میں ہے سارے گاما پادھانیسا

جیون کی کمر لچک رہی ہے ساجن۔

ناگن بن کر مجھے نہ دسنا بادل

باراں کی کسوٹی پہ نہ کسنا بادل

وہ پہلے پہل جدا ہوئے ہیں مجھسے

اس دیس میں اب کی نہ برسنا بادل۔

جوش نے متنوع موضوعات کو اپنی رباعی میں سمو کر اس صنف کی کم مائگی کو بڑی حد تک ختم کردیا ۔ جوش سے پہلے صنف رباعی سے اس قدر رغبت اور محبت کسی شاعر کے یہاں نہیں ملتی ۔ کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جسے جوش نے رباعی میں نہ سمو دیا ہو ۔ جوش سے پہلے رباعی ایک قطرہ تھی اسے قلزم بنانے کا کارنامہ جوش نے انجام دیا اور اس صنف شاعری کو فارسی کے دوش بدوش چلنے کا شرف عطا کیا ۔ اس سے پہلے اردو شاعری فارسی شاعری کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی ۔ اردو شاعری کا سر جوش نے اونچا ہی نہیں کیا بلکہ اس میں افاقیت ، گہرائی اور گیرائی پیدا کی اور اردو میں رباعیات کے مطالعہ کو کشش کا حامل بنا دیا ۔

یہ حقیقت ہے کہ جوش اپنی نظموں کی وجہہ سے مشہور ہوئے لیکن جوش کے فن نے جہاں فکر کی گہرائی کے مدارج طے کیے ہیں تو وہ منزل صنف رباعی ہی ہے ۔

فراق کی رباعیات کا تنقیدی مطالعہ

فراق بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں - انہوں نے غزل کو نیا رنگ اور آہنگ بخشا غزل کے روایتی انداز سے انحراف کر کے اسے ایک نیا موڑ دیا جسے اردو شاعری میں نشاط الثانیہ کہا جاتا ہے-

فراق کی شاعری انسانی اقدار اور تہذیب کا پرتوں اور جیتی جاگتی تصویریں ہیں فراق خالص انسانی تعلقات کے شاعر ہیں انکی شاعری اسی سرزمین ہند کی شاعری معلوم ہوتی ہے- فراق کی شاعری عشق مجازی کے حسن کے جمالیات کی شاعری ہے جسکو انہوں نے بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے انکے یہاں متنوع موضوعات کے ساتھ ساتھ گہرائی اور ہمہ گیری کا بھی احساس ہوتا ہے -

فراق نے پرانی اردو شاعری سے گہری وابستگی اور احترام اور متاثر ہونے کے باوجود بھی اپنی الگ راہ نکالی جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ اردو شاعری کی مخصوص میلانات سے ناآسودگی محسوس کرتے رہے - فراق نے غالب سے وسعت خیال اور پیچیدگی کو اجاگر کرنے کا گر سیکھا میر سے سوزوگداز اور جزبہ کی پختگی مصحفی سے لمسیت اور شادابی - انگریزی شاعری سے فطرت سے وابستگی اور حیات و کائنات کا ادراک حسن اور اسکی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا طریقہ لیا فارسی شاعری سے نزاکت چراغی اور ہندی سنسکرت شاعری کے زیراثر اردو شاعری میں ہندوستان کی روح اس طرح سمونے کی کوشش کی کہ وہ اسی سرزمین ہند کی پیداوار معلوم ہو- فراق نے اردو شاعری کی بنیاد حقیقی تجربوں پر رکھی اسکو فکر انگریزی

اور تہداری بخشی شاعری کو حقیقی زندگی کا آئینہ دار بناکر اس میں ہندوستان کی فضا اور خوشبو اس طرح سمودی کہ اس میں ہندوستانی ماحول کا عکس جھلکنے لگا اصل میں فراق اردو شاعری کے اندر ہندو دیومالائی روایات و واقعات کو پیش کرنا چاہتے تھے - انہوں نے ہندوستانی ماحول اور کلچر کو اردو شاعری میں اس طرح ضم کرنا چاہا کہ اردو شاعری اس سرزمین ہند کی پیداوار معلوم ہو - انکا خیال تھا کہ جس طرح فارسی شاعری میں ایرانیت جھلکتی ہے اسی طرح ہندوستانی اردو شاعری بھی ہندوستانی ماحول اور زندگی کی آئینہ دار ہو - فراق کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ اردو غزل ان سب تفاصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی جہاں تک ہو سکا انہوں نے غزل میں اپنے خیالات کو پیش کیا اسکے بعد فراق بیانیہ صنف نظم اور رباعی کی طرف متوجہ ہوئے -

فراق نے ہندی سنسکرت اور انگریزی ادب سے استفادہ کیا اور ان زبانوں کے ادب کے تجربوں کو اردو میں سمونے اور پیوست کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ہندوستانی مزاج لب و لہجہ - رنگو آہنگ اور انداز بخشا فراق کی یہی خصوصیات انہیں تمام شعرا سے علاحدہ اور ممتاز کرتی ہیں اور انکی شاعری تمام اردو شاعری سے علاحدہ کھڑی نظر آتی ہے - فراق کے یہاں موضوعاتی تنوع کے ساتھ ساتھ انداز کی بر جستگی جزبہ کی صداقت خلوص کی وارفتگی لہجے کی نرمی اور شگفتگی ملتی ہے جو فراق کو تمام شعراء سے جداگانہ پہچان بخشتی ہے -

فراق نے رباعیات کا سفر 1929ع میں شروع کیا انہوں نے یہ رباعیاں آسی غازی پوری سے متاثر ہو کر لکھیں اور اس دور کی تمام تر رباعیاں

ان کے مجموعہ روح کائنات میں موجود ہیں اسی مجموعہ کے دیباچہ میں فراق نے آسی غازی پوری سے متاثر ہوکر رباعیات لکھنے کا واقعہ بیان کیا ہے لکھتے ہیں -

"1929ع کی بات ہے میں کانپور میں تھا اور مجنوں گورکھپور میں - کسی چھٹی میں جب میں گورکھپور گیا تو مجنوں سے مینے اعلان کیا کہ مینے ایک ہفتے کے اندر کچھ رباعیات کہ ڈالی ہیں - مجنوں نے بھی یہی اطلاع دی کہ ٹھیک انہیں دنوں میں نے بھی نہ جانے کسی غیبی یا نفسیاتی تحریک کے زیر اثر رباعیاں کہ ڈالی ہیں - ہم دونوں کے لیئے یہ بہت خوش آہنگ خبر تھی اور یہ بات بھی کہ دونوں نے آسی غازی پوری کے لیے اور ان کی گونج سے متاثر ہوکر رباعیاں کہی تھی اس کے بعد سے اب تک اس ہفتہ بھر میں کہی ہوئی رباعیوں میں نہ مجنوں نے اضافہ کیا نہ میں نے [1] "

---

[1] روح کائنات فراق گورکھپوری ص - 27 تا 28

فراق کے مجموعہ روح کائنات کی رباعیات میں رواتی موضوعات اور اسلوب بیان ملتا ہے - وہی اخلاقی ، اصلاحی - مزہبی سماجی عشقیہ فلسفیانہ - خمریہ موضوعات پر فراق نے قلم اٹھایا ہے - ان رباعیات میں فراق دکھے دلوں کی داستان بیان کرتے ہیں اور شام ہجراں رورو کر گزارتے ہوئے نظر آتے ہیں ان رباعیوں میں فراق کا معشوق روایتی معشوق نظر آتا ہے - غرض تمام رباعیاں اداسی کا تاثر دیتی ہیں - ان رباعیوں میں فراق کا مشاہدہ اور فکر انکی اگلی رباعیوں سے کمزور نظر آتا ہے - اسکے باوجود ان میں اسی متعدد رباعیاں موجود ہیں جن پر فراق کی انفرادیت کی گہری چھاپ محسوس کی جاسکتی ہے - ان رباعیات میں فراق سب سے ہٹ کر نظر آتے ہیں رباعیات کو پڑھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ فراق کے اندر رباعیاں کہنے کی زبردست صلاحیت موجود ہے انکی روایتی قسم کی رباعیاں بھی دوسرے رباعی گو شعراء کے مقابلے میں کسی طرح کم نہیں فراق کی روح کائنات کی رباعیاں ملاحظہ ہوں -

مندرجہ ذیل رباعی میں فراق نے یہ بتانا چاہا ہے کہ زندگی دکھوں اور غموں سے بھری ہوئی ہے یہاں رہ کر قسمت کا رونا ایک ضروری امر ہے اسکے بعد موت کی تمنا کرتے ہیں - رباعی ملاحظہ ہو -

جینا تو نہیں ہے خیر جینے کا ہے نام
رونا قسمت کا بھی ہے آخر ایک کام
اے موت کی نیند ہم بھی جاگے ہیں بہت
آئے بھی تو آفتاب اپنا لب بام

اگلی رباعی میں مجاز پر زور دیا گیا ہے کہتے ہیں اگر انسان کامیاب اور اچھی زندگی گزار لے تو اسکے سامنے عبادت کچھ نہیں یعنی کامیاب زندگی عبادت کا درجہ رکھتی ہے عشق نام ہے کسی چیز میں گم ہو جانے کا چاہے وہ مجاز ہو یا حقیقت اس خیال کو رباعی میں دیکھیے -

خلقت کو سنوار دے عبادت کیا ہے
دنیا کا شباب آئے جنت کیا ہے
ہاں میکدۂ جہاں کا ذرہ ذرہ
سرشار مجاز ہو حقیقت کیا ہے

ایک مزہبی رباعی میں خدا سے حد درجہ عقیدت کا اظہار کیا ہے خدا ہی کے سہارے کو سب کچھ سمجھتے ہیں انکا عقیدہ ہے کہ جس نے خد کو خدا کے سپرد کردیا اس نے سب کچھ پالیا -

دنیا میں ترے سوا سہارا بھی نہیں
عقبی بھی ہے توہی ورنہ عقبی بھی نہیں
سونپا تجھے جس نے خود کو سب کچھ پایا
تیرا جو نہیں ہوا وہ اپنا بھی نہیں

ایک ایسی رباعی ملاحظہ ہو جسمیں فراق نے دنیا میں ناکامی کے بعد یاس میں مبتلا موت کی دعائیں کرتے ہوئے لوگوں پر طنز کیا ہے-

کرتے نہیں کچھ تو کام کرنا کیا آئے
جیتے جی جان سے گزرنا کیا آئے
رورو کر موت مانگنے والوں کو
جینا نہیں آسکا تو مرنا کیا آئے

اب ایک ایسی رباعی ملاحظہ ہو جسمیں شاعر دنیا کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا کہتا ہے کہ اچھا تھا جولوگ اس دنیا سے غافل تھے اس دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے یہ چند گھڑی کی ہے جب تک انسان کو ہوش آتا ہے وہ دولت کے چکر سے نکل کر اسے دیکھتا ہے تب اسے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کتنی نیچ ہے۔

سونے والوں کو کیا جگاتی دنیا
افسانے تھے کون جو سناتی دنیا
دنیا کا بھرم کھلا نہ پوچھو کیسے
جب آنکھ کھلی تو دیکھی جاتی دنیا

منور جہ ذیل رباعی میں فراق عمل اور جدو جہد کی ترغیب دیتے ہیں کہتے ہیں کہ سوئی ہوئی تقدیر کو بیدار کرنے کی کوشش کریں ملاحظہ ہو۔

سوئی ہوئی تقدیر کو بیدار کریں
کھوئی ہوئی دنیا کو خبردار کریں
جس آنکھ کی مستی ہے جہاں پر چھائی
ممکن ہو تو اس آنکھ کو ہشیار کریں

ایک جنون عشق کی رباعی ملاحظہ ہو جسمیں عاشق موسم بہار میں دیوانہ ہوگیا ہے اور چاک گریبان پر اثر ہوا ہے اس کیفیت کو بڑے ہی فنکارانہ انداز میں فراق نے رباعی میں سمویا ہے۔

بڑھتے چلے ہاتھ جیب و داماں کی طرف
وحشی کے قدم اٹھے بیاباں کی طرف
ہے صبح بہار لڑکھڑاتی ہے نسیم
اٹھتی ہے نظر تری گلستاں کی طرف

ایک عشقیہ رباعی میں شاعر نے اس خیال کو باندھا ہے کہ زندگی کا مزہ کسی پر مٹ کر حاصل ہوتا ہے رباعی ملاحظہ ہو -

جو رنگ اڑا وہ رنگ لایا
دردو غم و سوزو ساز کیا کیاپایا
جینے کا مزا ملا کسی پر مرکے
صد شکر فراق، دل کو رکھنا آیا

فکری عناصر کی کمی کے باوجود یہ رباعیاں پختہ مشق شاعر کے نتیجہ فکر کا پتہ دیتی ہیں - فنی اعتبار سے بعد کی رباعیوں سے بہتر ہیں۔[1] خاص کر شہرت یافتہ روپ کی رباعیاں - فنی پختگی کے چند اور نمونے ملاحظہ ہوں -

پینا تو نہیں ہے خیر پینے کا ہے نام
تر کر لے لبوں، کو کیوں رہے کا نا کام
پیما نہ دل کی تہ میں کچھ تو ہے تری
قسمت میں کہاں فراق چھلکا ہوا جام

---

[1] ملاحظہ ہو زبان و بیان ص - 223 تا 224

ہاں زخم جگر کو کچھ تو اچھا کر لیں
ہاں سوز نہاں کو کچھ تو ٹھنڈا کر لیں
دولیں ترا نام لے کے شام ہجراں
دکھتے ہوئے دل کا کچھ مداوا کر لیں

اسکے علاوہ فراق کے مجموعہ گلبانگ میں جو رباعیاں ملتی ہیں وہ لحاظ اسلوب اور موضوع دونوں اعتبار سے نیے انداز کی ہیں - انمیں کچھ رباعیوں کو فراق نے مادرہند کے عنوان سے لکھا ہے ان میں ہندوستانی قدیم روایات تہذیبی روایتوں ہندو دیومالا کے متعدد ناموں اور ان کے واقعات کا بیان کیا ہے مادرِہندسے امید وابستہ کرتے ہیں کہ وہ قوموں اور ملتوں کے تضاد اور دشمنی کو مٹا دیگی اسکے علاوہ اسمیں ہندوستان کی عظمت کے گیت گائے ہیں موجودہ حالات سے مایوس ہونے کے بجائے لوگوں کی امید بندھائی ہے اور ان میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے آیندہ اچھے حالات کی خوش رنگ دنیا دکھا کر انکے وطن پرستی کے جذبۂ اور احساس کو بیدار کیا ہے - گلبانگ کی رباعیاں ملاحظہ ہوں -

اے مادر ہند صبح تیری تری شام
ہیں ساقیٔ دوراں کے جھلکتے ہوئے جام
لمحوں میں ترے راز اب پنہاں ہیں
تیری ہر سانس ایک پیغام دوام

دریا آئینہ جہاں گزراں
کہسار ترے سکون دائم کے نشاں
ہے تیری فضا میں کچھ گھلاوٹ اسی
افزوں جو کرے رقت قلب یزداں

بادلوں کا دھواں سرفراز کہسار
جلوہ وہ دیولوک دشت و گلزار
گلتی ہوئی اپسرائیں جیسے گزریں
ندیوں نے تری وہ چھیڑ رکھا ہے ستار

ہر فرقہ و ہر مذہب و دیں
سب نے جائے پناہ پائی ہے یہیں
اولاد میں مامتا جھلکتی ہے تری
دنیا کی مادر وطن ہے یہ زمیں

پیغام تیرا بات اٹل ہے اے ہند
ہر دور ترا ایک ہی پل ہے اے ہند
شاموں پہ تیری شام ابد کا سایہ
ہر صبح تری صبح ازل ہے اے ہند

تو ہی نے کھلائے ہیں خفائی کے وہ پھول
بیٹھی اب تک نہ جن پہ قرنوں کی دھول
تاریخ بشر ہے خیرو برکت تیری
تہذیب جہاں کا تو امام و رسول

کنہاؤں ازل کی ہے صباحت جن میں
رادھا کی اداؤں کی نزاکت جن میں
تو آج بھی جن رہی ہے اسیے بچے
ہے کرشن کی شوخی و شرارت جن میں

مانا ترے فرزند بھرت کا کردار
وہ تخت و تاج چھوڑنے کا ایثار
رہتے ہوئے رام کی غریب الوطنی
ٹھوکر سے قدم کی وہ اہلیاادھار

ان راگوں کا راز کوئی پوچھے ہم سے
افلاک کھنک رہے ہیں تال و سم سے
مٹی تری اے ہند ہے ثرمائی ہوئی
سیتا و شکنتلا کے اشک غم سے

یہ دور خزاں جلد گزر جائے گا
پھر وقت لیے برگ و ثمر آئے گا
پر اشک رواں قاصد مستقبل ہے
ہر اچھے دنوں کی وہ خبر لائے گا

آغوش ملد یم میں سلایا ہم کو
خاموش آواز سے جگایا ہم کو
کچھ ہم بھی بنائیں ترے بگڑے ہوئے کام
اے خاک وطن تونے بنایا ہم کو

یہ رات مصیبت کی ہے کٹنے والی
یہ کالی گھٹائیں ہیں اب چھٹنے والی
ہیں وقت کے اوراق الٹنے والے
پھر ہے تری تقدیر پلٹنے والی

وہ دیکھ نئی صبح کی پوپھوٹتی ہے
وہ دیکھ کہ بنفس شب غم چھوٹتی ہے
وہ دیکھ بکھرتے چلے اشک انجم
وہ دیکھ کہ زنجیر فلک ٹوٹتی ہے

پتھر جو راہ میں ہیں ہٹ جائیں گے
سنگین جگر کوہ کے پھٹ جائیں گے
تیشے وہ کئی کروڑ ہاتھوں نے اٹھائے
اب پاپ جنم جنم کے کٹ جائیں گے

ہم سب ترا دکھ درد مٹا سکتے ہیں
پھر دھرتی کو تری سورگ بنا سکتے ہیں
تیری چھاتی کا دودھ پی کر ماتا
تقدیر سے ہم آنکھ لڑا سکتے ہیں

گہرا ہر قدم سے ترا ناتا ہے
ہم پر ہی نہیں ماں تجھے پیارا تا ہے
اوروں کا بھی حق ہے ماتا پر تیری
سنتے ہیں تیرا نام جگت ماتا ہے

قوموں کے تضاد کو مٹانا ہے تجھے
قوموں کی بنیاد کو مٹانا ہے تجھے
نا قابل تقسیم ہے دنیا کی فلاح
تقسیم مفاد کو مٹانا ہے تجھے

تیرے لیے کاش جیتے مرتے ماتا
تجھ سے رس مے کے نکھرتے ماتا
تیرے خوابوں کی کاش بنتے تعبیر
ہا ہند کو کاش ہند کرتے ماتا

ان رباعیات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے ان رباعیات میں ہندو دیومالا کے واقعات سے قدیم تہذیبی روایتوں کو پیش کیا ہے اور نئی نسل کو ہندو روایتوں سے آگاہ کر کے انکے اندر وطن پرستی کے جذبہ کو پختہ بنانے کی کوشش کی ہے - مجموعہ گلبانگ میں فکر بات کے عنوان سے لکھی گئی رباعیاں موضوعی اعتبار سے تو تمام رباعیاں کے مقابلے نئی ہیں یہی اسکے ساتھ ساتھ انکا لب و لہجہ - اسلوب - فکر اور آہنگ بھی تمام روایتی رباعیوں سے الگ ہے روپ کے آئینہ میں فراق عشقیہ رباعیات کے رسیا لگتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ انہوں نے عشقیہ موضوع کے علاوہ اور روایتی موضوعات سے قطع نظر مختلف موضوعات پر بڑی کامیاب رباعیاں کہیں ہیں جن کا جیتا جاگتا نمونہ ان کی فکریات اور مادر ہند کی رباعیات ہیں - فکر بات کے عنوان سے لکھی گئی رباعیات کے چند نادر نمونے درج ذیل ہیں -

اے معنی کائنات مجھ میں آجا
اے راز صفات و ذات مجھ میں آجا
سوتا سنسار جھلملاتے تارے
اب بھیگ چلی ہے رات مجھ میں آجا

صحرا میں زماں مکاں کے کھو جاتی ہیں
صدیوں بیدار رہ کر سو جاتی ہیں
اکثر سوچا کیا ہوں خلوت میں فراق
تہذیبیں کیوں غروب ہو جاتی ہیں

ایک دن شاعر حریم قدرت میں گیا
سربستہ مشیتوں کو جانچا پرکھا
اور ان میں آخری مشیت یہ تھی
آدم کا مشیتوں پہ قابو پانا

ایک حلقہ نور تھا ابد کا منظر
تابانیاں تھیں بے شمار خورشید و قمر
تاحدِ نظر سلسلہ موجودات
ہر شے شے ابھر رہی تھی تقدیر بشر

بے وجہ نہیں ہے مری افسردہ دلی
دنیا میں نہیں چاشنیٔ غم کی کمی
سنسار کی جس چیز کو چھو رہتا ہوں
ملتی ہے فراق اس میں اشکوں کی نمی

ہر ساز سے ہوتی نہیں یہ دھن پیدا
ہوتا ہے بڑے جتن سے یہ گن پیدا
میزان نشاط و غم میں صدیوں تل کر
ہوتا ہے حیات میں توازن پیدا

جاگ اٹھے گی روح تم تو سو جاؤ گے
سر چشمہ زندگی میں دھو جاؤ گے
کھو جاؤ گے جب مناظر فطرت میں
اپنے سے بہت قریب ہو جاؤ گے

آگے دیکھئے کہ فراق نے اپنی خمریہ رباعیات میں کسے کسے ساغر اچھالے ہیں

ساقی ترے بادہ نوش لہکے لہکے
سہمے سوز غضب سے رہکے رہکے
ساغر وہ اچھالتے ہیں مے خانے میں
یا کھیل رہے ہیں گیند مہر و مہ کے

انگور کے شطوں کی لویں اے ساقی
جنبش میں ہیں مشرق کی بھویں اے ساقی
آباد ترا میکدہ صبح نو کی
ہر جام سے پھوٹیں گی پوریں اے ساقی

ایک اور رباعی ملاحظہ ہو جسمیں فراق کو مے کے بلبلے سے کونین جھانکتے ہوئے نظر آتے ہیں -

واعظ اپنی سی ہانکتے ہیں ساقی
تقریر کی خاک پھانکتے ہیں ساقی
اٹھتے ہیں جو بلبلے مئے ساغر سے
کونین ان میں جھانکتے ہیں اے ساقی

ساغر نے کہاں پیام پہنچا ے ہیں
صد پرچم آفتاب لہرائے ہیں
ایک لمحہ مے کشی بھی کیا ہے ساقی
جس میں ازل و ابد سمٹ آئے ہیں

ساقی ماضی کی روح تھراتی ہے
کچھ آہٹ انقلاب کی آتی ہے
اٹھتی ہیں پیالوں سے جو مے کی موجیں
تلوار پہ تلوار چمک جاتی ہے

ہر عقدہ پیچیدہ کا حل دیتے ہیں
سرکشوں کا ساقیا کچل دیتے ہیں
واعظ کو فقط ہے حفظ تہذیب کی لاک
میکش ترے تہذیب بدل دیتے ہیں

مے خانے پر اس رات نیا جوبن ہے
ہر مے شکستِ ما و من ہے
شیشے میں یہ نور مئے نہیں ہے ساقی
فانوس چراغِ عہد نو روشن ہے

بوتل میں جو بند تھی وہ پریں
ساقی مستقبلوں کی کلیاں پھو ہیں
رندوں کے ہاتھ آگیا دامن حال
ماضی کے آنسو ٹوٹی کی لڑیاں لؤ نہیں

میخانے نے انقلاب کتنے دیکھے
کتنے جڑ آئے اور مٹی میں ملے
گنا مشکل ہے کتنے سواج پر جام
ساقی ابھرے

وہ صبح کہاں شام کہاں ہے ساقی
وہ نام کہاں کام کہاں ہے ساقی
جن کفر جس اسلام سے دنیا بدلی
وہ کفر وہ اسلام کہیاں ہے ساقی

فراق کی یہ تمام کی تمام رباعیاں حسن کاری اور فنکاری کا بہترین نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ منفرد بھی ہیں ان پر فراق نے اپنی انفردیت کی گہری چھاپ

چھوڑی ہے ہر رباعی پکار پکار کر کہ رہی ہے کہ میرا خالق فراق ہے۔

فراق نے ماضی پرستی کے عنوان سے 25 رباعیاں کہیں ہیں - جو انکے کسی بھی مجموعہ میں نہیں ملتی - ان رباعیات میں فراق نے ماضی کے پرستاروں کو بڑی سخت سست سنائی ہیں اور ماضی کا بکھان کرنے والوں کا مزاق اڑایا ہے - کسی رباعی میں ماضی کو ڈھیلے تاروں سے مشال دی ہے کہیں ردّی مال کہا ہے کہیں ماضی کی الاپ جہل کا سازطرب ' کہیں صدیوں سے سڑی ہوئی لاش متصور کرتے ہیں - کچھ رباعیوں میں پنڈت شیخ مہا جن قاضی پر طنز کا بھرپور وار کیا ہے - کہیں راج رشی اور انکے بھکتوں کے پراخچے اڑائے ہیں - اس موضوع کی رباعیاں ملاحظہ ہوں

کلجگ کی جب اہمیت کو سمجھاتے ہیں
کیا پھول حماقت کے وہ برساتے ہیں
درشن ہوئے جاتے ہیں ابھی بھکتوں کو
سوٹا لیے وہ راج رشی آتے ہیں

چھٹکاتے ہیں کاندھے اڑ بڑا جاتے ہیں
ایسے موقعوں پر ہڑ بڑا جاتے ہیں
سلجھانے کو کہیے کوئی الجھی ہوئی بات
تو راج رشی جی گڑ بڑا جاتے ہیں

ماہنامہ شاہراہ - ص - 5 اور 6

والّلہ نکالتے ہیں یوں دل کی بھڑاس
سب راج رشی سے باندھے بیٹھے تھے آس
بھوکوں پیاسوں کو آج وقت تقریر
وہ ڈانٹ پلائی نہ رہی بھوک نہ پیاس

پنڈت جی شیخ جی مہاجن قاضی
اب لڑ بھڑ کر ہوتے ہیں اس پر راضی
جنتا کو لگی ہے رٹ نئی دنیا کی
مل کر نعرہ لگاؤ ماضی ماضی

کتنے خوش ہوئے کتنے راضی آئے
با شوکت شیخ و شان قاضی آئے
کلچر یہ دھواں دھار کریں گے تقریر
جسے کار کرو حضرت ماضی آئے

اب چند ایسی رباعیات ملاحظہ ہوں جن میں فراق نے ماضی پرستوں ماضی کا رونا رونے والوں پر طنز کی بوچھار کی ہے طرح طرح سے ان پر ہنستے ہیں اور انہیں شرم و حیا دلائی ہے -

زہر اب فضاؤں میں یہ پھیلاتی ہے
اک لاش جو صدیوں سے سڑے جاتی ہے
بھگوان یہ کب کٹے گا ماضی کا کوڑھ
اف اب تو خیال ہی سے قے آتی ہے

کاندھے پہ دھرے بیتے جگوں کا تابوت
کس سمت کو جا رہا ہے بھارت کا سپوت
کب ایسے میں سوجھتے ہیں مستقبل و حال
جب سر پہ ناچتا ہے ماضی کا بھوت

ماضی کے پجارن اسے اتنا نہ بڑھا
معلوم ہے سب سبق یہ اداروں کو پڑھا
کیا کم تھے سامراج و دولت کے جنوں
سر پر جو ترے جنون ماضی بھی چڑھا

رگڑے پہ چرخ دے رہا ہے رگڑا
لیکن لے مول کون ان سے جھگڑا
مستقبل و حال سے جو موڑے ہو منہ
ماضی سے مانگتے ہیں روٹی کپڑا

سنتے ہو ساز صرمدی کوئی نہیں
بدلے نہ جو ایسی زندگی کوئی نہیں
اقدار دائمی یہ مٹنے والو
دنیا میں قدر دائمی کوئی نہیں

اونچا سودا پٹا ہے ہیں بونے
پگلا رکھا ہے ماضیوں کی رو نے
گھاٹے میں دے رہا ہے مستقبل کو
اور حال کو بیچتے ہیں اونے پونے

دامن ماضی سے ان کا اٹکا سو بار
کھایا ٹھوکر دھرمیوں کا جھٹکا سو بار
ماضی کے روشن پر گئے تھے چڑھنے
ماضی نے اٹھا اٹھا کے ٹیکا سو بار

فراق نے اپنی ان رباعیات میں ماضی پرستوں اور ماضی کا گن گانے والوں کی بھرپور مذمت کی ہے وہ ماضی پرستوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انہیں طرح طرح سے قائل کرنے کی کوشش کی ہے ان رباعیات کا انداز سراسر ہجو یہ ہے اس انداز بیان کی رباعیات سودا کے یہاں بھی ملتی ہیں لیکن انھوں نے مختلف ہجو یہ موضوعات پر کم تعداد میں رباعیاں کہی ہیں فراق کے یہاں ایک ہی ہجویہ موضوع سے متعلق

زیادہ تعداد میں رباعیاں ملتی ہیں -

اسکے علاوہ 351 رباعیاں روپ کے نام سے فراق کی 1947ء میں شائع ہوئی جنھیں فراق نے شاعر اظم جوش ملیح آبادی کے نام معنون کیا ہے - فراق نے ایک رباعی جوش کو مخاطب کر کے لکھی وہ اس لیے کہ فراق کی جوش سے کچھ ان بن ہو گی تھی - فراق روپ کے انتساب میں لکھتے ہیں -

معصوم خلوص باطنی کچھ بھی نہیں
وہ قرب وہ قدر باہمی کچھ بھی نہیں
ایک رات کی وہ جھڑپ وہ جھک جھک سب کچھ
اور آٹھ برس کی دوستی کچھ بھی نہیں

" یہ رباعی روپ کی ان رباعیوں کا شگون تھی -
اسے کہنے کہ دو ہفتوں کے اندر اندر سو
رباعیاں ہو گئیں جو دو مہینوں میں بڑھ کر ساڑھے
تین سو کی تعداد تک پہونچ گئیں [1] " -

یہی ساڑھے تین سو رباعیاں فراق کی شہرت کا سبب بنی ان رباعیات میں فراق نے "شردنگار رس" اس کو پیش کیا ہے - ان رباعیات میں دیہاتی ہندوستانی عورت کا روپ نظر آتا ہے - اس قسم کی چلتے پھرتے بے شمار مرقع فراق نے پیش کیے ہیں ان رباعیات میں فراق نے جس عورت کو پیش کیا ہے وہ بیاہتا عورت ہے جو ماں ہے بیوی ہے بیٹی ہے اسکے علاوہ

---

[1] روپ فراق گورکھپوری صفحہ نمبر - 5

محبوبہ بھی ہے لیکن یہ عورت خالص ہندوستانی اور ہندو کلچر کی پروردہ ہے - فراق نے عورت کے سب ہی روپ بیان کیے ہیں -

ماں اور بہن بھی اور چہیتی بیٹی
گھر کی رانی بھی اور جیون ساتھی
پھر بھی وہ کامنی سراسر دیوی
اور سیج پہ بیسوا وہ رس کی پتلی

ہے بیاہتا پر روپ ابھی کنوارا ہے
ماں ہے پر ادا جو بھی ہے دوشیزہ ہے
وہ صود بھری مانگ بھری گود بھری
کنیا ہے سہاگن ہے جگت ماتا ہے

اب چند اسی رباعیاں ملاحظہ ہوں جسمیں فراق نے ہندوستانی عقائد رسم و رواج اور روایات خاص کر ہندو کلچر کو پیش کیا ہے -

دیوالی کی شام گھر پتے اور سجے
چینی کے کھلونے جگمگا تے لاوے
وہ روپ وتی مکھڑے پر ایک نرم دمک
بچے کے گھروندے میں جلاتی ہے دیے

رگشابندھن کی صبح رس کی پتلی
جھائی ہے گگا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح چمک رہے ہیں لچھے
بھائی کے ہیے باندھی چمکتی راکھی

منڈپ کے تلے کھڑی ہے رس کی پتلی
جیون ساتھی سے پریم کی گانٹھ بندھی
مہکتے شعلوں کے گرد بھاونر کے سمے
مکھڑے پر نرم چھوٹ سی پڑی ہوئی

آنکھوں میں سرشک جگمگاتا مکھڑا
وہ جشن رخصتی سہانا تڑکا
جھرمٹ میں سہیلیوں کے اٹھتے ہیں قدم
وہ گھر کی عورتوں کا بابل گانا

یہ ایکھ کے کھیتوں کی چمکتی سطحیں
معصوم کنواریوں کی دلکش دوڑیں
کھیتوں کے بیچ میں لگاتی ہیں چھلانگ
ایکھ اتنی آگے کی جتنا اونچا کود یں

فراق پر عریانیت کا الزام لگایا جاتا ہے یہ بات صحیح ہے کہ فراق نے جنس کو اپنا موضوع شاعری بنایا جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہندو دھرم میں جنسی اتصال کا تصور بوالہوسی یا لذت پرستی اور عریانیت نہیں ہے بلکہ اسے ایک مقدس عرفان کا مقام حاصل ہے جو پاکیزگی عبادت اور طہارت سے عبارت ہے فراق اسی تہذیب اور ماحول کے فرد ہیں انہیں اعتقادات و خیالات اور ماحول میں ان کی پرورش ہوئی اسکے علاوہ انہوں نے ہندی اور سنسکرت دیومالا کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور ان سے استفادہ بھی کیا جسکا اثر جا بجا انکی شاعری میں نظر آتا ہے اور " روپ " کی رباعیاں خاص طور پر اس ماحول کی آئینہ دار ہے - فراق کے یہاں " پاکیزگی جنسی تعلق سے بچنے کا نام نہیں بلکہ اس تعلق کو وحدانیت اور جمالیاتی صفات سے متصف کرنے کا نام ہے" -

نفس پرستی پاک محبت بن جاتی ہے کوئی
وصل کی جسمانی لذت سے روحانی کیفیت سے

"روپ " کی رباعیوں میں فراق نے اردو شاعری کو ایک نیے آہنگ، لہجہ اور انداز بیان سے روشناس کروایا ہے - یہ انداز فراق سے پہلے نہیں ملتا فراق نے ان رباعیات میں ہندی اور سنسکرت الفاظ کا استعمال بہ کثرت کیا ہے جس سے رباعیات کا رنگ دوآتشہ ہوگیا ہے - بعض جگہ سنسکرت کے ثقیل الفاظ اردو کے نازک آبگینے پر ٹھیس بن کر لگے ہیں اور بعض نرم اور شگفتہ الفاظ کو اردو نے اپنے دامن میں جگہ دے کر اپنی وسیع القلبی کا ثبوت دیا ہے - ان رباعیات کے ذریعہ فراق نے اردو شاعری کو ہندوستانی ماحول کو شاعری میں پیش کرنے کا انداز دیا ان رباعیات میں ہندوستانی

فضا کی روح اسطرح رچ بس گئی ہے کہ یہ رباعیاں اسی سرزمین ہند کی پیداوار معلوم ہوتی ہیں - یہ بحث علاحدہ ہے کہ اسکو کس حد تک پسند کیا گیا اور کس حد تک نا پسند -

بالکل شروع میں قلی قطب شاہ نے اپنی رباعیات میں ہندوکلچر کو بھی پیش کیا انکے یہاں ہندی سنسکرت الفاظ بھی ملتے ہیں - انہوں نے عورت کا سراپا بھی بیان کیا ہے قلی قطب شاہ کی گیارہ پیاریاں تھی جن کا زکر قلی قطب شاہ کی شاعری میں ملتا ہے قلی قطب شاہ ان گیارہ پیا ریوں کو ایک مرد کی نظر سے دیکھتے ہیں - قلی قطب شاہ کی شاعری میں عورت کا مقام صرف دل بہلانے کی حد تک نظر آتا ہے جو حرم سرا کی زینت ہے وہ صرف بن سنور کر عاشق کو لبھاتی ہے اور محلوں میں بڑے ناز و نخروں کے ساتھ رہتی ہے

لیکن قلی قطب شاہ کا نثر نگار رس فراق کے مقابلے کا نہیں ہم اس میں نمایاں فرق محسوس کرسکتے ہیں وہ فرق یہ ہے کہ قلی قطب شاہ کی ہیروئن کم عمر ،بن سنور کر عاشق کو لبھانے والی ہے اسکو ہم محلوں میں گھومتا ہوا دیکھتے ہیں فراق کی ہیروئن ماں بہن بیٹی بیوی اور محبوبہ بہ یک وقت سبھی ہے - پختہ عمر گھر گر ہست اور پتی ورتا عورت ہے جو گھر اور کھیتوں کے مختلف کاموں میں مشغول نظر آتی ہے - گھر میں کہیں بچے میں مشغول دکھائی دیتی ہے - کہیں کھانا پکاتے ہوئے کہیں پوجا کرتے کہیں بیماری میں پتی کے لیے فکر مند اور پریشان کہیں دیر ہونے پر پتی کے لیے پریشان کہیں پن گھٹ پر پانی بھرتے ہوئے غرض فراق کے یہاں عورت کے متعدد روپ دیکھنے کو ملتے ہیں -

عورت کے یہ روپ ہمیں کسی شاعر کے یہاں نظر نہیں آتے یہی فراق کی خوبی ہے۔

قلی قطب شاہ اور ولی جو شمالی ہند کے پہلے اردو صاحب دیوان شاعر کہلاتے ہیں ان کے یہاں بھی عورت کے حسن و جمال کا بیان اور ہندی الفاظ کا استعمال ملتا ہے اس کے علاوہ لکھنؤ کے تمام شعرا کے یہاں عریانیت اور سراپا نگاری ملتی ہے وہاں شاعری کی ایک خاص قسم ایجاد ہوئی جس میں صرف عورت کے لب و لہجہ اور انداز میں بات کرتے جس کو ریختی کہا گیا اور اس دور کے تمام شعرا نے تقریباً ریختی میں طبع آزمائی کی ہے ریختی میں لکھنوی شعرا کے یہاں صرف سطحی جذبات کی ترجمانی اور سراپا نگاری ملتی ہے اس کے بعد ایک دم ہندی الفاظ اور ہندوستانی کلچر کو پیش کرنے کا رجحان ماند پڑ گیا (ختم البتہ نہیں ہوا تھا) جدید شعرا نے ایک بار پھر وطن پرستی کی نظمیں لکھ کر ہندی کے الفاظ استعمال کر کے سرزمین ہند سے ایک رشتہ جوڑا اس دوران بھی مثنویوں نے اس رشتے کو ٹوٹنے سے بچائے رکھا۔ اردو مثنویوں میں ہمیں ہندی الفاظ کا استعمال ہندوستانی فضا، ہندوستانی ماحول اور اسی سرزمین ہند کی جگہوں اور چیزوں کا شاعری میں بیان مل جاتا ہے۔ ان مثنویوں میں سراپا نگاری، واقعات کا بیان، مرقعہ نگاری، مختلف انسانی نفسیات کا بیان جو مختلف حالات میں ظاہر ہوتی ہے عشق کا بیان اور اس عشق میں مختلف کیفیات و حالات کا تذکرہ غرض کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو ہمیں مثنویوں میں نہیں ملتی۔ میر حسن کی "سحر البیان" مرزا شوق کی "زہر عشق" اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ فراق کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے پہلی بار ہندی الفاظ اور ہندوستانی کلچر کو پیش کیا ہے یہ بات بالکل غلط ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ چند سال سے جو رشتہ ٹوٹا ہوا تھا اسے دوبارہ جوڑ دیا کیوں کہ اگر ہم تمام اردو شاعری کو اٹھا کر دیکھیں تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ کوئی بھی دور ایسا نہیں رہا جس میں (کم یا زیادہ)

کسی نہ کسی صنف میں ہندی الفاظ اور ہندوستانی کلچر کو نہ پیش کیا گیا ہو۔ میر و غالب اور اس کے بعد ایک عرصے تک ایرانی شاعری کی طرف شعراء کا رجحان زیادہ رہا اس لیے اس قسم کے موضوعات میں کمی البتہ واقع ہوئی ہے لیکن یہ کہنا کہ فراق سے پہلے ہندی الفاظ یا ہندوستانی کلچر اردو شاعری میں نہیں تھا بالکل غلط ہے۔ البتہ فراق کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی رباعیات میں ہندو روایات اور ہندو گھرانے کی تفصیلی تصویر کشی کی ہے جو اس سے پہلے اردو رباعیات میں مفقود تھی گو کہ فراق سے پہلے بھی ہمیں ہندوستانی کلچر کی مختصراً جھلکیاں کئی ایک شعراء کے یہاں رباعیات میں نظر آتی ہیں۔ جیسے ساغر نظامی، اثر لکھنوی، رواں، مخدوم وغیرہ۔ رواں نے پہلی بار رباعیات میں منظر نگاری کو پیش کیا حسرت کے یہاں اعضائے جسمانی سے متعلق رباعیاں ملتی ہیں۔

فراق پر ایک الزام یہ بھی عائد کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ہندی اور انگریزی شعراء کے خیالات کو ہو بہو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے یہ بات ٹھیک ہے کہ فراق نے ان دونوں ادب اور ان کے شعراء سے اثر قبول کیا وہ انگریزی کے استاد تھے انگریزی ادب میں ان کا گہرا مطالعہ تھا اور ہندی ماحول و کلچر میں وہ پیدا ہوئے کچھ انھیں وراثت میں ملا اور کچھ انھیں گھر سے روایتی طریقے سے ذہن نشین ہوا اس کے علاوہ انھوں نے ہندی ادب کا مطالعہ بھی کیا تھا تو ان دونوں زبانوں کا اثر ہر حال میں ان کی شاعری میں آنا تھا کیوں کہ کوئی بھی شاعر یا ادیب اپنے ماحول اور کلچر سے کٹ کر شاعری نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی ادیب اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر کچھ لکھے گا۔ اس ماحول اور کلچر کا پرتو اپنے اپنے طریقے اور انداز میں ہر کسی کے یہاں ملے گا۔ افغان اللہ خاں لکھتے ہیں کہ ــــ

"کہیں کہیں تو سورداس کے براہ راست ترجمے کا شبہ ہوتا ہے کرشن کا بچپن، ماں کی تصویر، جسودا کے مختلف روپ فراق

کی رباعیوں میں ڈھل گئے ہیں - ایک جگہ سورداس نے کہا ہے
یا ایک تصویر پیش کی ہے کہ کرشن چاند لینے کے لیے ضد کرنے
لگے مجبور ہو کر جسودا نے کرشن کو بہلانے کی ایک ترکیب
سوچی، انھوں نے ایک لگن، (بڑے برتن) میں پانی بھر کر رکھ دیا،
اس میں چاند کی تصویر اتر آئی جسودا نے کہا دیکھئے چاند ہے
لے لے"۔ [1]

ایک جگہ تسکینہ فاضلی لکھتی ہیں —

"فراق کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے انگریزی ادب کے اثرات
کو بحیثیت مجموعی اپنے اندر اس طرح تحلیل کیا ہے کہ بعض اوقات
ان کے تراجم پر ان کی اپنی تخلیق کا شائبہ ہونے لگتا ہے"۔ [2]

مثال میں فراق کی رباعی کے ایک مصرعے کو پیش کرتی ہیں جو کسی انگریزی شاعر کا
ترجمہ ہے

"ملیر بیک کے فقرے 'I touch the boundaries of music'
کو روپ کی پہلی رباعی کے چوتھے مصرعے 'سنگیت کی سرحدوں کو چھو لیتا ہوں'
کے سانچے میں ڈھالا ہے"۔

اس طرح رباعی نمبر ۱۵۶ کے پہلے دو مصرعوں

"جب تاروں نے جگمگاتے نیزے تولے
جب شبنم نے فلک سے موتی رولے

پر انگریزی شاعر بلیک کی مندرجہ ذیل دو مصرعوں کا پرتو بیّن طور پر
دیکھا جا سکتا ہے

'When the stars threw down their spears
And watered heaven with their tears' [3]

کوئی بھی شاعر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی بھی شعر بلحاظ
تخیل ایک دم نیا ہے۔ کیوں کہ تخیلی اعتبار سے اگر اصلیت کی تلاش میں

---

[1] فراق کی شاعری، ڈاکٹر افغان اللہ خاں ص 53 [2] انجمن ترقی اردو ہند ص 112
[3] ایضاً

لگایا جائے تو یہ کام ریگستان میں کسی ننھے ذرّے کی تلاش کے مترادف ہوگا
کیوں کہ خیالات کی یکسانیت سے اردو شاعری بھری پڑی ہے تمام شعرا کے یہاں
ہجر و وصال کی کیفیات ملتی ہیں ہر شاعر ہجر میں آہ و بکا کرتا نظر آتا ہے اور
وصال کے لمحات میں خوشی کے تاثرات ملتے ہیں۔ وطن کے لیے محبت بھی تمام
شعراء کے یہاں ملتی ہے کسی بھی زبان کا شاعر ہو اس میں وطنیت کا جذبہ
یکساں طور پر کارفرما ہوگا۔ ہمیں کوئی بھی شاعر ایسا نہیں نظر آتا جس نے
اپنے وطن کے لیے نفرت کا اظہار کیا ہو عشق میں ناکامی کے مضامین تقریباً
ہر شاعر کے یہاں ملتے ہیں۔ رقیب کا بیان بھی ملتا ہے جس کے لیے شاعر نفرت
اور جلن کے احساسات رکھتا ہے کوئی شاعر ایسا نہیں ہے جس کی طبیعت
قدرتی مناظر کو دیکھ کر مکدّر ہو جاتی ہو۔ ہر شاعر کے یہاں قدرتی مناظر سے
لطف اندوز ہونے کا جذبہ ملتا ہے غرض کہ یہ تمام آفاقی احساسات اور
سچائیاں ہیں جن سے کوئی بھی انسان انحراف نہیں کر سکتا ان تمام احساسات
کے لیے ہر ملک کے جذبات اور خیالات یکساں ہوں گے عشق و محبت، ہنسنا رونا
مصیبت کے وقت پریشان ہونا، خوشی میں خوش ہونا، اچھی چیزوں کی تعریف کرنا اور
بری چیزوں کی برائی کرنا فطری عمل ہے یہ جذبہ ہر انسان میں خواہ وہ کسی بھی
ملک یا کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو سب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے بس
فرق صرف اتنا ہے کوئی زیادہ متاثر ہوتا ہے کوئی کم، فنکار پر اس کا اثر ردِ عمل
کی حد تک ہوتا ہے۔ عام انسان محسوس کر کے خاموش رہ جاتا ہے۔ شاعر
ایک حساس طبیعت کا مالک ہوتا ہے اس کے محسوس کرنے کا طریقہ بالکل علیحدہ
ہوتا ہے اور پھر ہر فنکار اپنی اپنی طرح محسوس کرتا ہے اور اس کو فن کا
نمونہ بنا کر پیش کر دیتا ہے۔

فراقؔ سے پہلے اردو میں اچھی جمالیاتی شاعری کی کمی محسوس ہوتی ہے
لیکن فراقؔ نے اردو شاعری کو جمالیاتی احساسات، جمالیاتی کیفیات، جمالیاتی
جذبات اور جمالیاتی انداز سے نوازا فراقؔ خود کہتے ہیں کہ ——

"اگر جمالیاتی شاعری کے ذریعہ احساسِ جمال ..... کی تہذیب ہو سکے تو یہ بھی افادیت کا ایک پہلو ہے"

فراق جنس کا بیان کرتے تو ہیں لیکن اس میں بلندی اور افادیت کو دیکھنا چاہیئے ہیں جیسا کہ ان کی ایک رباعی سے ظاہر ہے

کہتی ہیں تیری نگاہیں اے دوست — نکلیں نئی زندگی کی راہیں اے دوست
کیوں حسن و محبت سے نہ اونچا اٹھ کر — دونوں ایک دوسرے کو چاہیں اے دوست

یہی وہ مقام ہے جہاں فراق کی شاعری جنسی روحانیت سے ہمکنار ہوتی ہے۔

فراق کے قدرتی مناظر جیسے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے اس کے علاوہ فراق کے یہاں بڑے پیمانے پر ہندوستانی کلچر کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ خاص کر ہندو روایات اور پختہ عمر دیہاتی شادی شدہ گرہستن کا بیان ملتا ہے جو اپنے پتی کی خدمت کرتی ہے، پوجا پاٹ کرتی ہے اور گھر کے مختلف کاموں میں منہمک و مشغول دکھائی دیتی ہے۔ قدیم اساطیری روایات کو بھی فراق نے اپنی رباعیات میں سمویا ہے اس کے علاوہ ان کے یہاں سراپا نگاری (نکشو نرکھ) بھی ملتا ہے اس مقام پر فراق اردو روایتی شاعری سے علیحدہ نظر آتے ہیں یہ موضوع انھوں نے ہندی سنسکرت ادب سے قبول کیا اور پھر وہ خود بھی ہندو گھرانے سے تعلق رکھتے تھے انسان کبھی بھی اپنے ماحول اور سماج سے ہٹ کر نہیں سوچ سکتا اور نہ ہی کٹ کر رہ سکتا ہے۔ شعوری طور پر فراق نے ہندو روایات، ہندو کلچر، ہندوستانی رسم و رواج کو اپنی شاعری میں پیش کرنے کی کوشش کی سراپا نگاری جس کو شرنگار رس کہا جاتا ہے فراق کی رباعیات کا خاص موضوع ہے اس سلسلے میں فراق کی شاعری تنقید کا نشانہ بنی جبکہ فراق کی زیادہ تر رباعیات میں قاری کو اپنا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے فراق نے جن آفاقی موضوعات کو چھوا ہے وہ انسان کی حقیقی زندگی سے بہت قریب ہیں فراق نے مختلف اوقات میں جن کیفیات کا تذکرہ کیا ہے لگتا ہے کہ خود فراق ایک ایک کیفیت سے گزر چکے ہیں یہی ان کے کلام کی خوبی ہے۔

موضوعات

اصل میں فراق جمالیات کے شاعر ہیں، غزل کے شاعر نے کے باوجود وہ صنف کے حصار میں قید نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے رباعی پر بھی بھرپور توجہ مرکوز کی اور اسے ایک نیا انداز، لب و لہجہ بخشا۔

فراق نے رباعیات میں ان موضوعات کو داخل کیا جو اردو رباعیات کے لیے یا تو بالکل نئے تھے یا پھر اتنی مدت پہلے ان پر قلم اٹھایا گیا تھا کہ وہ گزری ہوئی بات بن گئے تھے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فراق نے اردو رباعیات میں پہلی بار شرر نگاری کو پیش کیا حالانکہ یہ روایت بالکل غلط ہے کیوں کہ تقریباً اردو شاعری کی تمام اصنافِ سخن کی ابتدا قلی قطب شاہ کے ہاتھوں ہوئی اسی طرح شرر نگاری کی بھی ابتدا قلی قطب شاہ نے کی یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے اس موضوع پر بلحاظ تعداد کم رباعیات لکھیں اور اسی لحاظ سے رباعیات میں مختصراً شرر نگاری کو پیش کیا ہے۔

"..... رباعی جو زیادہ تر پند و موعظت یا اخلاقی مضامین کے اظہار کا ذریعہ تھی محمد قلی کے کلام میں پہلی بار عشقیہ مضامین اور شرر نگاری کی حامل نظر آتی ہے۔" [1]

فراق کے آتے آتے اس موضوع سے ہمارا رشتہ ٹوٹ گیا تھا لیکن ایسی بات نہیں ہے کہ فراق سے پہلے شرر نگاری کی رباعیات نہیں ملتیں۔ قلی قطب شاہ کے یہاں ہندی سنسکرت الفاظ بھی بکثرت ملتے ہیں لیکن فراق نے اپنی رباعیات میں ہندوستانی کلچر خاص کر ہندو بیاہتا، پتی ورتا اور گھر گرہست عورت کو جس طرح پیش کیا ہے پوری اردو شاعری اس سے خالی نظر آتی ہے اس لحاظ سے فراق سے زیادہ ہندوستانی کوئی اور شاعر نظر نہیں آتا فراق نے رباعی کے ذریعہ اردو شاعری میں اس موضوع کو داخل کیا جس سے اردو شاعری ناآشنا تھی اردو شاعری اور اردو رباعی اب تک صرف عشقیہ، اخلاقی، سماجی، متصوفانہ، خمریہ، ذاتی، بجو یہ موضوعات کے گرد گھوم رہی تھی۔ رباعیات میں فراق نے عورت کے مختلف روپ پیش کیے ہیں جو اردو شاعری کے لیے نایاب تھے۔ اردو شاعری میں عورت کا

---

[1] کلیاتِ قلی قطب شاہ مرتبہ سیدہ جعفر۔ ص 219

صرف ایک روپ محبوبہ کی شکل میں نظر آتا ہے فراق نے عورت کے ہر روپ کو پیش کر کے موضوعات میں اہم اضافہ کیا اور اردو شاعری کی دنیا میں امر ہو گئے۔

عموماً فراق کی روپ میں موجود شرنگار رس کی رباعیاں موضوع بحث بنی ہیں۔ اصل میں فراق کا موضوع ہندو حسینہ ہے اور فراق نے عورت کے حسن کے مختلف پیکر تراشے ہیں جیسے کنیا، بیوی، لکشمی، محبوبہ، حسن کی دیوی، ماں اور بہن وغیرہ لیکن محبوبہ اور حسن کی دیوی کے سامنے ان کے دوسرے پیکروں کے نقوش ماند محسوس ہوتے ہیں اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ان کا تذکرہ مختصراً اور ضمنی طور پر کیا ہے جو بھی ہے ان کا رنگ چوکھا ہے۔ فراق نے ان تمام پیکروں کو ہندو کلچر اور ہندوستانی سماج کے پس منظر میں بیان کیا ہے عورت کا انھوں نے خواہ کوئی بھی روپ بیان کیوں نہ کیا ہو ہر روپ ہندو تہذیب اور ہندوستانی گاؤں کی سرزمین کا معلوم ہوتا ہے یہی اردو رباعیات کو فراق کی دین بھی ہے۔ دوسری اصناف میں تو مختلف شعرا کے یہاں ہندوستانی کلچر کا بیان مل جاتا ہے لیکن اردو رباعی کا میدان اس موضوع سے بے بہرہ نظر آتا ہے صرف ساغر نظامی کے یہاں چند رباعیات میں منظر نگاری کا بیان ملتا ہے۔ اردو شاعری میں عورت کا تذکرہ بحیثیت ماں کے کسی شاعر نے نہیں کیا۔ عورت کے مختلف روپ مرثیوں میں ملتے ہیں لیکن مرثیے کا اصل موضوع دوسرا ہے یہ بیان ضمناً معمولی اور سطحی طور پر ملتا ہے اس میں کوئی خاص کشش یا دلچسپی نہیں ملتی فراق نے اپنی جن رباعیات میں عورت کو بحیثیت ماں کے پیش کیا ہے ایسی چند رباعیاں ملاحظہ ہوں:

ڈھلکا آنچل دمکتے سینے پہ اک
پلکوں کی اوٹ مسکراہٹ کی جھلک
وہ ماتھے کی کہکشاں وہ موتی بھری مانگ
وہ گود میں چاند سا ہمکتا بالک

نہلا کے چھلکے چھلکے نرمل جل سے
الجھے ہوئے بالوں میں کنگھی کر کے
کس پیار سے بچہ دیکھتا ہے منہ کو
جب گھٹنوں میں لیکے پہناتی ہے کپڑے

آنگن میں لیے چاند کے ٹکڑے کو کھڑی
ہاتھوں میں جھلاتی ہے اسے گود بھری
رہ رہ کے ہوا میں جو لوکا دیتی ہے
گونج اٹھتی ہے کھلکھلاتے بچے کی ہنسی

کس پیار سے دے رہی ہے میٹھی لوری
ہلتی ہے سڈول بانہہ گوری گوری
ماتھے پہ سہاگ آنکھوں میں رس ہونٹوں میں
بچے کے ہنڈولے کی چمکتی ڈوری :

گل ہیں کہ رخِ گرم کے ہیں انگارے
بالک کے نین سے ٹوٹتے ہیں تارے
رحمت کا فرشتہ بن کے دیتی ہے سزا
ماں کو ہی پکارے اور ماں ہی مارے

کس پیار سے ہوتی ہے خفا بچے سے
کچھ تیوری چڑھائے ہوئے منہ پھیرے ہوئے
اس روٹھنے پر پریم سنسار نثار
کہتی ہے کہ جا تجھ سے نہیں بولیں گے

آنگن میں ٹھنک رہا ہے ہنڈیا پایا ہے
بالک تو ہٹی چاند پر للچایا ہے
درپن اسے دے کے کہہ رہی ہے یہ ماں
دیکھ آئینے میں چاند اتر آیا ہے

دیوالی کی شام گھر پتے اور سجے
چینی کے کھلونے جگمگاتے اودے
وہ روپ وتی مکھڑے پہ اک نرم دمک
بچے کے گھروندے میں جلاتی ہے دیے

جب فراق عورت کو ایک عاشق کی نظر سے دیکھتے ہیں تو وہ اپنے محبوب کی ہر ادا اور ہر انداز پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ محبوب کی کوئی ادا اور جنبش ان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ پاتی یہ محبوب کے تمام اوصاف کی جزیات کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ فراق اپنے تخیل کے ساتھ ساتھ اپنے قاری کو بھی اسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں کی وہ خود سیر کرتے ہیں اور اپنے قاری پر اسی کیفیت کو اسی طرح طاری کر دیتے ہیں جس کو وہ خود محسوس کرتے ہیں فراق کی رعبایات پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے عشق میں پوری طرح ڈوب کر ان رباعیات کی تخلیق کی ہے کیوں کہ ان تمام جزیات کا بیان کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک شاعر خود اسی کیفیت اور مشاہدے سے نہ گزر چکا ہو۔

محبوب کے سبھی اعضائے جسمانی کا حسن فراق کی نظروں کے سامنے محسوس ہوتا ہے وہ اس کی تمام خوبیوں اور خوبصورتیوں سے بخوبی واقف معلوم ہوتے ہیں اس کے علاوہ مختلف اوقات میں مختلف کیفیات کا فراق نے بھرپور بیان کیا ہے اور اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیا ہے ایسی ہی چند رعبایاں پیش

ہیں جن میں فراقؔ نے تصویر کشی کے نمونے پیش کیے ہیں :

رس میں ڈوبی تو اور نکھری شوخی
دھل کر شبنم سے جیسے کھلتی ہو کلی
معصوم ہے کتنی روٹھ جانے کی ادا
آنکھوں میں سرشک اور ہونٹوں پہ ہنسی

کروٹ سے سو رہی ہے کھولے گیسو
پوچھٹتی ہے یا جھلک رہا ہے پہلو
بل کر مانوس ہو گیا ہے کتنا —
تلوؤں سے مل رہا ہے آنکھیں آ ہو

جب جھولا جھولنے میں ساون وہ گائے
کروٹ قوسِ قزح کو رہ رہ کے دلائے
وہ پینگ بڑھانے میں لچکتا ہوا وہ جسم
آئینۂ نیل گوں میں بجلی لہرائے

ان جزیات کے بیان میں فراقؔ اکثر حد سے آگے بڑھ گئے ہیں انہیں حدود کو پار کرنے کی وجہ سے اثرؔ لکھنوی، جگن ناتھ آزادؔ اور دوسرے مختلف لوگوں نے فراقؔ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ بات صحیح ہے کہ فراقؔ نے ان باتوں کو کھل کر بیان کیا جن کو پردے میں رکھنا زیادہ مناسب تھا لیکن اس کی وجہ فراقؔ پر ہندی اور سنسکرت ادب کا اثر ہے اگر ہم اس پس منظر میں فراقؔ کی رباعیات کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ فراقؔ نے کس قدر پردہ داری سے کام لیا ہے اسی سلسلے میں جگن ناتھ آزادؔ کا ایک بیان ملاحظہ ہو — جس میں وہ فراقؔ کی شاعری پر اعتراض کرتے ہیں :

"رباعی میں ہندوستانی کلچر کی تھرتھراتی ہوئی زندہ رگوں میں چھو لینے کا عمل صرف معشوقہ یا معشوق کا سراپا بیان کرنے کے عمل تک ہی محدود رہ گیا ہے زیادہ سے زیادہ عورت کے بدن کو چھو لینے کے عمل تک .. .. .. مختلف کلچروں کے امتزاج سے جو ہندوستانی کلچر معرضِ وجود میں آیا ہے اسے صرف شاعری میں محدود کر دینا جو "روپ" کی رباعیات میں نظر آتی ہے اس پورے کلچر کا مفہوم نہیں ہو سکتا یہ تو صرف شہ نگار رس ہے جو ہندوستانی شاعری میں ایک اہم صنفِ سخن ہے۔" [1]

روپ کی رباعیات کو جگن ناتھ آزاد صاحب کے دیئے گئے عنوانات (معشوقہ یا معشوق کا سراپا) "عورت کے بدن کو چھو لینے کا عمل" صحیح نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ان موضوعات کو بھی فراق نے بیان کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ فراق کی وہ متعدد رباعیاں کس کھاتے میں جائیں گی جس میں انھوں نے ماں کا دلار، بہن کا پیار، بیوی کی محبت، جانوروں سے لگاؤ، گھر میں کام کاج میں مصروف، گریہ لکشمی کا بیان کیا ہے ایسی ہی چند رباعیاں ملاحظہ ہوں —

دیوالی کی شام گھر پٹے اور سجے
چینی کے کھلونے جگمگاتے لاوے
وہ روپ وتی، نکھرے پے یہ نرم دمک
بچے کے گھروندے میں جلاتی ہے دیئے

نکھری نکھری نئی جوانی دمِ صبح
آنکھ میں ہو، سکون کی کہانی دمِ صبح

---

[1] انجمن ترقی اردو (ہند) صفحہ 22

آنگن میں سہاگنی اٹھائے ہوئے ہاتھ
تلسی پہ چڑھا رہی ہے پانی دم صبح

ہو دی پہ کھڑی کھلا رہی ہے چارا
جوبن رس انکھڑیوں سے چھلکا چھلکا
کومل ہاتھوں سے ہے تھپکتی گردن
کس پیار سے گائے دیکھتی ہے مکھڑا

کس درجہ سکوں نما ہیں ابرو کے ہلال
خیر و برکت کے دھن لٹاتی ہوئی چال
جیون ساتھی کے آگے دیوی بن کر
آتی ہے سہاگن سجائے ہوئے تھال

رکشا بندھن کی صبح رس کی پتلی
چھائی ہے گھٹا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح لچک رہے ہیں لچھے
بھائی کے ہے باندھتی چمکتی راکھی

منڈپ کے تلے کھڑی ہے رس کی پتلی
جیون ساتھی سے پریم کی گانٹھ بندھی
ہلکے شعلوں کے گرد بھانور کے سمے
مکھڑے پہ نرم چھوٹ سی پڑتی ہوئی

آنکھوں میں سرشک جگمگاتا مکھڑا
وہ جشنِ رخصتی سہانا تڑکا
جھرمٹ میں سہیلیوں کے اٹھتے ہیں قدم
وہ گھر کی عورتوں کا بال گانا

آنگن میں سہاگن نہا کے بیٹھی
رامائن زانوؤں پہ رکھی ہے کھلی
جاڑے کی سہانی دھوپ کھلے گیسو کی
پرچھائیں چمکتے صفحے پر پڑتی ہوئی

رباعیات میں فراق کا محبوب موضوع سراپا نگاری ہے اسی موضوع کی وجہ سے فراق نے رباعیات کے میدان میں اہم درجہ حاصل کیا۔ فراق جس وقت محبوب کے سراپے پر نظر ڈالتے ہیں تو جسم کا کوئی بھی حصہ فراق کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ پاتا۔ فراق کو محبوب کے ماتھے کا چندر لوک دمکا دمکا، کامروپ کا جادو، آنکھیں، صندل کے بن میں ماتے ہوئے ناگ بال، رخساروں کی دھوپ، گھونگھٹ سے چھنتی ہے، ہونٹوں کے رس پر بھنورا منڈلاتا ہے، کانوں کی لو تھرتھراتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور کھلے ہوئے آفتاب سینے میں بند، ابرو مہہ نو کی لچکتی کمان، ناک دیپک کی لو کی طرح ستواں، چہرے کے سامنے برق طول، آنکھیں جھپکاتا ہے، کوثر میں بھنور ڈالنے والی ناف، خورشید کو آئینہ دکھانے والی ران، قوسِ قزح کی طرح تھرتھراتے ہوئے بازو، شعلہ کی طرح رقص کرتی ہوئی کمر، دمکتا ہوا پیڑو، بجلی کی طرح کروٹیں لیتے ہوئے کولھے، سیماب میں سورج کی ضیا والے تلوے، کوندے کی طرح مہکتی ہوئی پنڈلی، گردن کو دیکھ کر میکدہ وجد کرتا ہوا لگتا ہے، قوسِ قزح کے جھلملاتے ہوئے شرارے جیسا جسم، ماتھے کی بندی سرِ چرخ جھلملاتا

ہوا تارا، امرت کی نو رس آواز، شب قدر کا جوبن زلف، چہرے پر تلوؤں کی گدگدی عیاں، محبوب کے نشست و برخاست کا انداز غرض کہ محبوب کی کوئی بھی ادا فن آوی کی نظروں سے چھپی نہیں رہ پائی انھیں موضوعات سے متعلق چند رباعیاں پیش ہیں :—

ان انکھڑیوں میں سرور ہلکا ہلکا
مکھڑے میں بہاگ، راگ دہکا دہکا
جیسے دیوی کھڑی ہو جھرمٹ مارے
ماتھے کا چندر لوک دمکا دمکا

رنگ رخ میں ہے مہر سیال کی ضو
ابرو میں لچکتی ہے کمان مہ نو
ستواں ہے ناک جیسے دیپک کی لو
وہ چال میں جست جیسے بجلی کی رو

لہرائی ہوئی شفق میں اوشا کا یہ روپ
یہ نرم دمک مکھڑے کی بیچ دھیج ہے انوپ
ترا بھی اڑا اڑا سا آنچل زر تار
گھونگھٹ سے وہ چھنتی ہوئی رخساروں کی دھوپ

ہونٹوں میں وہ رس کہ جس پہ بھنورا منڈلائے
سانسوں کی وہ سیج جس پہ خوشبو سو جائے
چہرے کی دمک پہ جیسے شبنم کی ردا
مد آنکھوں کا کام دیو کو بھی جو جھکائے

جمنا کی تہوں میں دیپ مالا ہے کہ زلف
جوبن شب قدر میں نکالا ہے کہ زلف
تاریک اور تابناک شام ہستی
زندانِ حیات کا اجالا ہے کہ زلف

وہ چہرا قمر میں سرخ لہریں جو اٹھائے
وہ گردن و سینہ مہ کہ وہ وجد میں آئے
وہ حسنِ شکم کہ جان سورج میں پڑے
بل کھاتی کمر آکاش گنگا لہرائے

ہے قوسِ قزح کہ تھرتھرائے بازو
رشکِ فردوس لہلہاتے پہلو
رقصاں شعلہ ہے لچکی لچکی سی کمر
کندل پہ کنول ہے یا دمکتا پیڑو

اٹھنے میں ہمالیہ کی گھاٹیوں کا ابھار
انداز نشست چڑھتے ندی کا اتار
رفتار میں مدھ بھری ہواؤں کی سنک
گفتار میں شبنم کی رسیلی جھنکار

وہ نکھرے بدن کا مسکرانا ہے ہے
رس کے جوبن کا گنگنانا ہے ہے
کانوں کی لوؤں کا تھرتھرانا کم کم
چہرے کے تل کا جگمگانا ہے ہے

نگہِ لعلِ یمن کا جگمگائے جیسے
دیپک کا شرار تھرتھرائے جیسے
ماتھے پر وہ سہاگ بندی کی جھلک
تارا سرِ چرخ جھلملائے جیسے

یکسر وہ تبسّم ہے تمام آنسو ہے
ہمہ شبنم و گل تمام رنگ و بو ہے
پلکوں کی اوٹ میں طلسمِ ہستی
آنکھیں ہیں کہ کامروپ کا جادو ہے

وہ بادِ سحر کا رس میں ڈوبا ہوا راگ
چٹکی میں لیا کنول نے دریا کا سہاگ
مہکے ہوئے گات سے ہیں لپٹی زلفیں
صندل کے بن میں جیسے ماتے ہوئے ناگ

پگھلے ہوئے آفتاب سینے میں ہیں بند
دامِ یزداں شکار زلفوں کی کمند
بل کھاتی کنک چھڑی ہے رس کی پتلی
خوشبو تنِ نازنیں کی سونے میں سگند

یہ روپ کے گرد سات رنگوں کی پھوار
جیسے مدھم سروں میں خود گائے ملہار
پڑتا ہے فضا میں عکسِ جسمِ رنگیں
یا قوسِ قزح کے جھلملاتے ہیں شرار

وہ چہرہ برقِ طور آنکھیں جھپکائے
وہ ماتھا چندر لوک جس سے شرمائے
وہ ناف کہ کوثر میں بھنور پڑ جائے
وہ ران کہ خورشید کو آئینہ دکھائے

سینے میں لہک رہا ہے پھولا ہوا گلزار
بل کھائے بدن میں لہلہاتی ہے بہار
بجلی کی ہیں کروٹیں کہ کولہوں کی لچک
جاتی ہے کہاں دئی کی ماری ہوئی نار

ہے نوچ بلوریں کہ پیکر کا رچاؤ
مینجانے کو نیند آئے وہ آنکھوں کا جھکاؤ
جس طرح کمانیوں میں پڑ جائے جان
دیکھے کوئی پنڈلی کا گداز اور تناؤ

تلوے سے بھری ہوئی گلابی چھلکی
نقشِ کفِ پا سے نوسی لہرا کے اٹھی
ہر نقشِ قدم سے کھلتے جاتے ہیں کنول
وہ چال میں نوچ جیسے مڑتی ہو ندی

حمام میں زیرِ آب جسمِ جاناں
جگمگ جگمگ یہ رنگ و بو کا طوفاں
ملتی ہیں سہیلیاں جو مہندی رچے پاؤں
تلوں کی گدگدی ہے چہرے پہ عیاں

آخری رباعی محاکات کی عمدہ مثال ہے اس میں فراق نے حد درجہ حقیقت بیانی سے کام لیا ہے اس طرح کی رباعی کہنے کے لیے زبردست مشاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح متعدد رباعیاں ہمیں فراق کے یہاں مل جاتی ہیں ۔

افلاک پہ جب پرچم شب لہرائے
ساقی نے بھرا ساغر مہ چھلکایا
کچھ سوچ کے کچھ دیر تامل کر کے
اس نے بھی ذرا پردۂ رخ سرکایا!

کروٹ سے سو رہی ہے کھولے گیسو
جو پھٹتی ہے یا جھک رہا ہے پہلو
بل کر ماؤس ہو گیا ہے کتنا
تلووں سے مل رہا ہے آنکھیں آہو

بالوں میں خنک سیاہ راتیں ڈھلتی
گالوں کی شفق کی اوٹ شمعیں جلتی
تاروں کے سرکتے چھاؤں میں بستر سے
اک جانِ بہار اٹھتی ہے آنکھیں ملتی

ان رباعیات میں فراق نے گہرے نفسیاتی تجزیے پیش کیے ہیں انہیں رباعیات کو پڑھ کر ڈاکٹر شعیب راہی کہتے ہیں ۔

"فراق کی شاعری، عشقیہ شاعری ہے جو موضوعاتی تنوع کے اعتبار سے گھریلو زندگی سے لیکر دنیا کے بیشتر اہم مسائل کو بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔" [1]

---

[1] انعکاس فراق نمبر صفحہ 87

فراق کی عورت کی تصویر میں ان کے تمام روپ جلوہ گر ہیں جیسے ماں، بہن، محبوبہ، بیوی اور ان کی ازدواجی زندگی، گرہستن کی زندگی، سماجی زندگی وغیرہ ان کی مکمل تصویر کشی اور کہانی فراق اپنی رباعیات میں پیش کرتے ہیں جو نہایت دلچسپ اور دل موہ لینے والی ہیں۔ ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو جس میں بہن بھائی کا بھرپور پیار نظر آتا ہے —

رکشہ بندھن کی صبح رس کی پتلی
چھائی ہے گھٹا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح لچک رہے ہیں لچھے
بھائی کے ہے باندھتی چمکتی راکھی

چند ایسی رباعیاں پیش ہیں جس میں ممتا کا بھرپور عکس جھلکتا ہے —

ڈھلکا آنچل دمکتے سینے پہ اک
پلکوں کی اوٹ مسکراہٹ کی جھلک
وہ ماتھے کی کہکشاں وہ موتی جھری مانگ
وہ گود میں چاند سا ہمکتا بالک

گل ہیں کہ رخِ گرم کے ہیں انگارے
بالک کے نین سے ٹوٹتے ہیں تارے
رحمت کا فرشتہ بن کے دیتی ہے سزا
ماں ہی کو پکارے اور ماں ہی مارے

آنگن میں ٹھنک رہا ہے ضد یا یا ہے
بالک تو ہٹی چاند پہ للچایا ہے
درپن اسے دے کے کہہ رہی ہے ماں
دیکھ آئینہ میں چاند اتر آیا ہے

فراق کی رباعیوں میں بیوی کا درجہ کافی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے وہ بیوی کو دکھ درد میں اپنا شریک رکھتے ہیں اور دنیا کے تپتے ہوئے ویرانے میں بیوی کا وجود سکھ شانتی کا ذریعہ بنتا ہے۔ فراق کے اس خیال کو ایک رباعی میں دیکھیں —

تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لیتی ہے
دکھ درد زمانے کے مٹا دیتی ہے
سنسار کے تپتے ہوئے ویرانے میں
سکھ شانتی کی گویا تو ہری کھیتی ہے

اس کے علاوہ فراق کی رباعیوں میں پرسکون ازدواجی، گھریلو اور سماجی زندگی کی بھی تصویر کشی ملاحظہ فرمائیں۔

جو کے کی سہانی آنچ مکھڑا روشن
ہیں گھر کی لکشمی پکاتی جو جن
دیتے ہیں کرشن کے چلنے کا پتہ
سیتا کی رسوئی کے کھنکتے برتن

متھتی ہے جسے دہی کی رس کی پتلی
اکھوں کی لٹیں کچھوں پر لٹکی لٹکی
وہ چلتی ہوئی سڈول باہوں کی لچک
تو مل مکھڑے پر ایک سہانی سرخی

پریمی کو بخار، کھل نہیں سکتی ہے پلک
بیٹھی ہے سرہانے، ماد مکھڑے کی دمک
جلتی ہوئی پیشانی پہ رکھ دیتی ہے ہاتھ
پڑ جاتی ہے بیمار کے دل میں ٹھنڈک

اودی اودی گگن پہ چھائی ہے گھٹا
ساجن کے بیوگ میں ستا سا مکھڑا
اب سوچ سنگار کی کہ آتے ہیں پیا
پڑنے لگی رس کی بوند کا گا بولا

آنکھوں میں سرشک جگمگاتا مکھڑا
وہ جشنِ رخصتی سہانا تڑکا
جھرمٹ میں سہیلیوں کے اٹھتے ہیں قدم
وہ گھر کی عورتوں کا بابل گانا

جب جھولا جھولنے میں ساون وہ گائے
کروٹ قوسِ قزح کو رہ رہ کہ دلائے
وہ پینگ بڑھانے میں لچکتا ہوا جسم
آئینۂ نیل گوں میں بجلی لہرائے

یہ ایکھ کے کھیتوں کی چمکتی سطحیں
معصوم کنواریوں کی دلکش دوڑیں
کھیتوں کے بیچ میں لگاتی ہیں چھلانگ
ایکھ اتنی اگے گی جتنا اونچا گودیں

نکھری نکھری نئی جوانی دم صبح
آنکھیں ہیں سکوں کی کہانی دم صبح
آنگن میں سہاگنیں اٹھائے ہوئے ہاتھ
تلسی پہ چڑھا رہی ہے پانی دم صبح

اس کے علاوہ فراق نے متعدد رباعیاں ایک ہی موضوع سے متعلق کہی ہیں اور بعض رباعیوں میں انھوں نے جسم کے مختلف اعضاء ایک ہی رباعی میں بیان کر دیئے ہیں جیسے زلف، آنکھیں، ہونٹ، مسکراہٹ، آواز، روپ، بدن، چال، حد یہ ہے حمام میں عریانیٔ تن کا عالم بھی فراق کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکا۔

حمام میں عریانیٔ تن کا عالم
پیکر کا دھندلکے میں جھلکنا کم کم
اک ہلکی ثریٰ سی سر سے پا تک
شبنم سے دھلی شفق بھی کھاتی ہے قسم

جمنا کی تہوں میں دیپ مالا ہے کہ زلف
جوبن شبِ قدر نے نکالا ہے کہ زلف
تاریک اور تابناک شامِ ہستی ——
زندانِ حیات کا اجالا ہے کہ زلف

راتوں کی جوانیاں نشیلی آنکھیں
خنجر کی روانیاں نشیلی آنکھیں
سنگیت کی سرحدوں پہ کھلنے والے
پھولوں کی کہانیاں رسیلی آنکھیں

یہ چہرہ کھلا ہوا یہ مہکے ہوئے ہونٹ
یہ گیسوں کی لپٹ یہ لہکے ہوئے ہونٹ
یہ تازہ دمی، یہ مسکراہٹ، یہ نشاط
سانسوں کی ٹھنڈی لو سے دہکے ہوئے ہونٹ

دوشیزہ کرن کلی کو جیسے اکسائے
رس رنگ، سگندھ، کے چراغوں کو جلائے
اس چندر مکھی کی مسکراہٹ میں وہ لوچ
شبنم میں پگھل کے جیسے کوئی بال کھائے

یہ نقرئی آواز، یہ مترنم خواب
تاروں پہ پڑ رہی ہو جیسے مضراب
لہجے میں یہ کھنک یہ رس یہ جھنکار
چاندی کی گھنٹیوں کا بجنا تہہ آب

مدھوبن کے بسنت سا سجیلا ہے وہ روپ
برکھا رت کی طرح رسیلا ہے وہ روپ
رادھا کی جھینپ، کرشن کی برزوری ہے
گوکل نگری کی راس لیلا ہے وہ روپ

رشک دل کیکئی کا غنچہ ہے بدن
سیتا کے برہ کا کوئی شعلہ ہے بدن
رادھا کی نگاہ کا چھلاوا ہے کوئی
یا کرشن کی بانسری کا لہرا ہے بدن

چھلکے ہوئے سینکڑوں پیالے ہیں کہ چال
کھلتے ہوئے رہ گزر میں لالے ہیں کہ چال
آہٹ پہ لگے ہیں دیوتاؤں کے بھی کان
مل جل کے ستار گانے والے ہیں چال

عموماً یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وصال کے بعد محبوب کا حسن ماند پڑ جاتا ہے اس میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی لیکن فراق دوسرے ہی انداز سے اس بات کو سوچتے ہیں اور اپنی ایک رباعی میں اس بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں رباعی ملاحظہ ہو ــــ

رنگت تیری کچھ اور نکل آئی ہے
یہ آن تو حوروں کو بھی شرمائی ہے
کٹتے ہی شب وصال، ہر صبح کچھ اور
دوشیزگی جمال بڑھ جاتی ہے

اس انداز سے سوچنا فراق کے انوکھے پن کی دلیل ہے۔ وصال سے متعلق فراق کے یہاں ایک کہانی ملتی ہے ــــ

تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لے لیتی ہے
دکھ درد زمانے کے مٹا دیتی ہے
سنسار کے تپتے ہوئے ویرانے میں
سکھ شانت کی گویا تو ہری کھیتی ہے

چڑھتی ہوئی ندی ہے کہ لہراتی ہے
پگھلی ہوئی بجلی ہے کہ بل کھاتی ہے
پہلو میں لپک کے بھینچ لیتی ہے وہ جب
کیا جانے کہاں بہا لے جاتی ہے

یہ راز و نیاز اور یہ سہمے خلوت کا
یہ آنکھ میں آنکھ ڈال دینا تیرا
ہرنی ہے ڈری ڈری سی اور کچھ مانوس
ہر نرم جھجک سپردگی کی یہ ادا

جب تاروں نے جگمگاتے نیزے تولے
جب شبنم نے فلک سے موتی رولے
کچھ سوچ کے خلوت میں بصد ناز اس نے
نرم انگلیوں سے بند قبا کے کھولے

پہلو کی وہ ہلکساں نشیبوں کا ابھار
ہر عضو کی نرم لوچ میں مدھم جھنکار
ہنگامِ وصال پینگ لیتا ہوا جسم
سانسوں کی شمیم اور چہرہ گل انار

رنگیں سحر اپنی لہلہاہٹ بھولے
بے خود روحِ نمو کے سینہ چھولے
ہنگامِ وصال کچھ سرکتا ملبوس
زرّیں کمر اور جگمگاتے کولے

کھینچتا ہے عبث بغل میں باہوں کو تولے
کھو جانے کا ہے وقت تکلف نہ رہے
ہنگامِ وصال، کر سنبھلنے کی نہ فکر
سو سو ہاتھوں سے میں سنبھالے ہوں تجھے

آجاتا ہے گات پہ سلونا پن اور
چنچل پن، بال پن، اینلا پن اور
کتنے ہی سہاگ رات دیکھیں جو اسے
بڑھ جاتا ہے روپ کا کنوارہ پن اور

مندرجہ بالا رباعیات کے بارے میں اسلوب صاحب کی رائے دوسرے تمام نقادوں سے مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ ــــ

"مرد اور عورت کے تعلقات کی جو تصویریں ہمیں فراق کی رباعیوں میں ملتی ہیں وہ بعض جگہ انتہا پسندی کے باوجود بڑی نادر اور دلکش ہیں اور اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں"۔ [1]

فراق کی ان رباعیات میں شدید جنسی تجربے کارفرما ہیں اسی طرح کی اور رباعیاں بھی فراق کے یہاں ملتی ہیں جس میں فراق نے معمولی پردہ داری کے ساتھ وہ باتیں بیان کی ہیں جو اردو شاعری میں ناکے برابر تھیں یا پھر بالکل نہیں تھیں یہ اثر فراق نے ہندو کلچر اور روایت سے قبول کیا اس کے علاوہ ہندی اور سنسکرت ادب کے مطالعہ سے فراق نے ان موضوعات کو قبول کیا۔ اصل میں ہندو کلچر میں جنسی تعلقات کو تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ہندوستان میں اسے عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ اجنتا ایلورا اور شولنگ کے مندر سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہندوؤں کا اس عقیدہ ہے کہ جنسی جذبہ کے تحت ہی دنیا میں زندگی قایم ہے جس جذبے کے تحت دنیا قائم ہے وہ جذبہ قابل نفرین نہیں بلکہ قابل صد ستائش ہے یہی وجہ ہے کہ ہندو کلچر میں عورت کو بہت عزت کی نظر سے دیکھا گیا ہے چاہے وہ کوئی بھی رشتہ کیوں نہ ہو زمین کو ماتر بھومی کے نام سے پکارتے ہیں اس پر کھیتی ہوتی ہے جو تمام جانداروں کی زندگی کی ضامن ہے۔ اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ ماں کا درجہ بھی بے انتہا بلند ہے اس کو پوجا کے قابل سمجھا گیا غرض کہ عورت کے ہر رشتے کو احترام کی نظر سے دیکھا۔ فراق نے اسی خیال کو اپنی رباعی میں اس طرح پیش کیا ہے ــــ

ماں اور بہن بھی اور چہیتی بیٹی
گھر کی رانی بھی اور جیون ساتھی بھی
پھر بھی وہ کامنی سراسر دیوی
اور سیج پہ بھیسوا وہ رس کی پتلی

---

[1] شاہکار، فراق نمبر ص 71

فراق کی ان رباعیوں نے فراق کو شہرت بھی دی اور بدنام بھی کیا ان کے ایک معترض نیاز اثر لکھنوی اپنی کتاب چھان بین میں لکھتے ہیں ــــ

"معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فراق کا منشا کوکشاستر تصنیف کرنا تھا۔ قانونی شکنجے سے بچنے کو رباعیوں کا روپ دے دیا۔" [1]

جگن ناتھ آزاد کو فراق کی شاعری میں ہند و تہذیب اور ماحول کے نام پر صرف روپ کی شرنگار رس رباعیاں ہی نظر آتی ہیں اس طرح کی تنقیدیں پڑھ کر شاعر قیوم خضر صاحب اپنے ایک مضمون "فراق کی شاعری کا نفسیاتی پس منظر" میں لکھنے پر مجبور ہو گئے ــــ

"فراق کی شاعرانہ تازگی و شگفتگی کی تہہ تک پہنچنے کے لیے موریانہ خشک مزاجی قطعی طور پر اہلیت نہیں رکھتی، اور نہ ہی سطحی تنقید نگاری سے ان کے مرتبے کو پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ جو ہر بات کو مقامی، ملّی یا پارینہ، تہذیبی و اخلاقی قدروں کے ٹھیکروں سے تولتے ہیں، ان اتنی بھی خبر نہیں کہ تہذیب و اخلاق وغیرہ تو ایک اضافی شے ہے ان کی قدریں بھی زمان و مکان کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں .. ..

وہ لوگ جو جنسیاتی، لمسیاتی، اصواتی اور جمالیاتی ذوق سے ناآشنا ہیں ویسے لوگوں کو فراق کی شاعری پڑھنے کو کس نے کہا؟ اور اگر بھول سے پڑھ لیا تو بے سوچے سمجھے خامہ فرسائی کی کیا ضرورت؟" [2]

سلام سندیلوی اپنی کتاب اردو رباعیات میں فراق کی رباعیات کے موضوعات پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ــــ

"بعض جگہ فراق صاحب نے شب وصال کی نہایت عریاں اور برہنہ تصویریں کھینچی ہیں۔" [3]

---

[1] چھان بین، اثر لکھنوی ص 319 [2] نیا دور حصہ اول، فراق نمبر ص 37-
[3] اردو رباعیات ڈاکٹر سلام سندیلوی ص 573-

اس طرح کی آراء کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہندی روایات شاعری سے ناواقف ہیں جبکہ ہندی شرنگار رس شاعری کے مقابلے میں فراق کی رباعیاں کچھ بھی نہیں۔ فراق سے پہلے اردو شاعری میں اسلامی تہذیب، تہذیب و تمدن کا بول بالا تھا اب بھی ہے لیکن فراق نے اردو شاعری میں بڑے پیمانے پر ہندو تہذیب و تمدن اور روایات کو پیش کیا سنسکرت اور ہندی شاعری کے موضوعات کو اردو میں داخل کرنے کی ارادۃً کوشش کی ہندو تہذیب میں جنس کو متبرک مانا گیا اور اس کے اظہار و بیان کو فن کا درجہ حاصل رہا ہے اس کا اندازہ ہمیں کھجوراہو اور اجنتا ایلورا کو دیکھ کر ہو جاتا ہے۔ فراق کی رباعیاں ایسی تہذیب کی دین ہیں۔ فراق کا موضوع ہی سراپا نگاری ہے جس کو ہندی میں نکھ شکھ ورنن کہا جاتا ہے جس میں کالی داس، ودیا پتی، بہاری، کیشو داس کو مہارت حاصل ہے۔ اگر اردو داں حضرات ان شعراء کا مطالعہ کریں تو انہیں فراق کے ماخذ کا اندازہ ہوگا ممکن ہے پھر اس طرح کے اعتراضات سے گریز کریں اور انہیں یہ رباعیاں عریاں بھی نہ معلوم ہونگی بقول افغان اللہ خاں کے ــــ

"اردو نقادوں کے لیے یہ رباعیاں عریاں ہو سکتی ہیں لیکن اردو اور ہندی دونوں ادب کا مطالعہ کرنے والوں کو نہ عریاں معلوم ہونگی اور نہ بالکل نئی بلکہ ان کی یہ رباعیاں ہزارہا سال پرانی لیکن سدا سہاگ ہندوستانی، ہندو وجدان اور ہندو ثقافت کی نشاۃ الثانیہ کا ثبوت ہیں" [1]

فراق کے معتقد اور نقاد جمیل جالبی ان کی رباعیات کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں ــــ

"فراق کے یہاں عشق کا تصور اس قدر تازہ حسین ہے کہ اس میں لذت اور تازگی کی بھینی بھینی مہک آتی ہے جس

---

[1] فراق کی شاعری، ڈاکٹر افغان اللہ خاں ص۔ 564

سے جسم اور روح دونوں بیدار ہو جاتے ہیں اور جسم
میں ایک فراغت اور دماغ میں سکون محسوس ہوتا ہے
یہی فراق کی رباعیوں کا تہذیبی پہلو ہے۔" [1]

گوپی چند نارنگ فراق کی رباعیات کے بارے میں حقیقی رائے کا اظہار کرتے ہیں ان کے بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ فراق کی رباعیات کو انھوں نے مخصوص انداز سے پڑھا اور پرکھا ہے ان کے تمام موضوعات کو اسی پس منظر میں دیکھا ہے جس میں فراق نے پیش کیا۔ ان کے خیالات انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں ——

"ان کی رباعیات پر سنسکرت کی شرنگار رس اور ہندی کے ریتی کال کی شاعری کا اثر ہے۔ گھریلو محبت کے ایسے مرقعے کھینچے گئے ہیں جو اس سے پہلے کی اردو شاعری میں نہ تھے۔ ان میں ہندوستانی عورت، جسم و جمال کی تمام دلآویزیوں کے ساتھ اور گھریلو تمام لطافتوں کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ عورت کا کنوارہ روپ، بیاہتا بیوی کا سنگھار یا اور ماں کا پیار دلار رباعیوں میں طرح طرح سے بیان ہوا ہے ان میں ماتا کی کسک بھی ہے اور جسم و جمال کی رنگینیوں سے آنند بھری کیفیتیں بھی۔"

فراق نے رباعی کو نئے موضوعات سے روشناس کرا کر اسے ایک نیا اسلوب اور لب و لہجہ بخشا یہ رباعیاں روایتی رباعیوں سے بالکل مختلف نظر آتی ہیں انھوں نے رباعی کے روایتی گھسے پٹے موضوعات اور انداز بیان سے شعوری طور پر گریز کیا یہی وجہ ہے کہ فراق کو بحیثیت بڑا رباعی گو کے تسلیم کیا گیا

---

[1] "فنکار" فراق نمبر ص۔ 299

ہندوستانی کلچر :

اردو شاعری میں ہندوستانی کلچر کی جھلکیاں پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے یہاں سے ملنا شروع ہو جاتی ہیں۔

قلی قطب شاہ سے لیکر فراق تک شعراء کی ایک قطار ہے جن کی شاعری میں تھوڑی یا بہت ہندوستان کی بو باس ملتی ہے۔ ہاں رباعیات میں بہت کم شعراء نے ہندوستانی ماحول کو پیش کیا ہے۔ کسی نے ہندوستانی سماج کو معمولی طور پر پیش کر دیا کسی نے منظر نگاری کی تو ہندوستانی پہاڑ، دریا، پھول پتوں اور وادیوں کا تذکرہ کر دیا البتہ جوش نے رباعیات میں ہندوستانی کلچر بھرپور انداز سے بیان کیا ہے۔ جوش کا میدان رباعی نہیں نظم ہے لیکن جوش نے رباعی کو ایک اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچایا۔ فراق کو جتنی شہرت ان کی غزل نے دی رباعیوں نے بھی کم شہرت سے نہیں نوازا۔ شرنگار رس کی رباعیات میں تو انہیں تمام رباعی گویوں سے منفرد مقام بخشا۔ ان کی رباعیاں ہندوستانی سماج۔ آداب و معاشرت اور تہذیب کی نمائندگی کرتی ہیں۔

فراق نے متعدد جگہ اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ اردو شاعری میں ہندوستان کی روح اس طرح جلوہ گر نہیں ہے جس طرح دوسری زبانوں میں ہے۔ فراق چاہتے ہیں کہ اردو شاعری میں ہندوستانی سرزمین کی خوشبو رچ بس جائے اس کو پڑھ کر یہ اندازہ ہو کہ وہ اس سرزمین ہند کی پیداوار ہے یہیں کی تلمیحات، استعارے، تشبیہات الفاظ و روایات کو اردو شاعری میں ضم کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے —

> "میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستانیت کی روح اگر اردو شاعری میں سرایت کر سکے تو اس کی شاعری میں ایک مخصوصیت، کائنات و حیات کی ایک ہم آہنگی، ایک طہارت ایک روحانی مجازیت و مادیت آجائے گی جس سے ایسے سنسار سنگیت پھوٹ نکلیں گے جو

سورگ سنگیت کو بھی مات کر دیں گے۔"[1]

فراق نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی بہت کامیاب کوشش رباعیات میں کی ہیں۔ رباعیوں میں ہندوستانی تلمیحات و تشبیہات کو ہندی اور سنسکرت الفاظ کی مدد سے پیش کیا۔ رباعیات میں فراق کا محبوب موضوع عورت کے مختلف روپ ہیں فراق نے عورت کو ماں، بہن، بیوی، دوشیزہ، حسینہ، محبوبہ کے روپ کو ہندوستانی تہذیب اور یہاں کے سماجی پس منظر میں پیش کیا۔ جس سے ہندوستانی خاص کر ہندو گھرانے اور طرز زندگی کا احساس ہوتا ہے۔

فراق نے زیادہ تر گھریلو ہندوستانی عورت اور پتی ورتا بیوی کی تصویر کو پیش کیا ہے۔ جو ہر وقت اپنے گھر کے مختلف کاموں میں مشغول دکھائی دیتی ہے۔ فراق کی چند ایسی رباعیات ملاحظہ ہوں (جن پر ہندوستانی کلچر کی گہری چھاپ ملتی ہے) —

بریجی کو بخار، اٹھ نہیں سکتی
بیٹھی ہے سرہانے ماند مکھڑے کی دمک
جلتی ہوئی پیشانی پہ رکھ دیتی ہے ہاتھ
پڑ جاتی ہے بیمار کی آنکھوں میں ٹھنڈک

چوکے کی سہانی آنچ مکھڑا روشن
ہے گھر کی لکشمی پکاتی بھوجن
دیتے ہیں کر قبلی چلنے کا پتہ
سیتا کی رسوئی کے کھنکتے برتن

متھتی ہے جسے دہی کو رس کی پتلی
الکوں کی لٹیں، کچوں پہ لٹکی لٹکی
وہ چلتی ہوئی سڈول باہوں کی لچک
کوئل مکھڑے پہ سہانی سرخی

---

[1] شبنمستان - فراق عرض مصنف ص-۱

وہ گایوں کا دوہنا، سہانی صبحیں
گرتی ہوئی بھرے تھن سے چمکتی دھاریں
گھٹنوں پہ کلس کا وہ کھنکنا کم کم
یا چٹکیوں سے پھوٹ رہی ہیں کرنیں

ڈھنکا آنچل دمکتے سینے پہ اک
پلکوں کی اوٹ مسکراہٹ کی جھلک
وہ ماتھے کی کہکشاں وہ موتی بھری مانگ
وہ گودی میں چاند سا ہمکتا بالک

دیوالی کی شام گھر پتے اور سجے
چینی کے کھلونے جگمگاتے لادے
وہ روپ دتی مکھڑے پہ نرم دمک
بچے کے گھروندے میں جلاتی ہے دیئے

آنگن میں ٹھنک رہا ہے ضد پایا ہے
بالک تو ہٹی چاند پہ للچایا ہے
درپن اسے دے کے کہہ رہی ہے ماں
دیکھ آئینہ میں چاند اتر آیا ہے

پنگھٹ پر گگریاں چھلکنے کا یہ رنگ
پانی ہچکولے لے کے بھرتا ہے ترنگ
کاندھوں پہ سروں پر ہاتھوں میں کلسیں
مدھ بھری انکھڑیوں میں سینوں میں بھرپور انگ

روپ لیا اور اس کے علاوہ بھی فراق کی بہت رباعیاں ایسی ہیں جن میں ہندوستان کے رسم و رواج، روایات کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔

فراق سے پہلے بھی اردو شاعری میں ہندوستانی تہذیب کے خدوخال ملتے ہیں لیکن وہ نقش اتنے پھیکے ہیں کہ روایتی شاعری میں دب کر رہ گئے ہیں جو نقش گہرے ہیں وہ اتنے کم ہیں کہ ان کا تذکرہ ضمناً آجاتا ہے۔ فراق سے پہلے اردو شاعری کا محبوب پتہ ہی نہیں چلتا کہ مذکر ہے یا مؤنث (لکھنوی شاعری کے علاوہ) چند ایک شعراء کے یہاں ظاہر بھی ہوا تو سات پردوں، اشاروں کنایوں تمام تر نزاکتوں کے ساتھ۔ لیکن فراق کا محبوب مؤنث ہے اور اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اردو رباعیات میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ فراق نے ہندوستانی کلچر کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور جن موضوعات کو لیا ہے وہ اس ہندوستانی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں اس میں تمام تر جذبات کا بھرپور کمال نظر آتا ہے۔ لگتا ہے ان کی نظر کے سامنے سارا ماحول ہے اور وہ اس مشاہدہ اور تجربے کو رباعیات میں منتقل کر رہے ہیں۔ ان کی رباعیات میں ہندوستانی معاشرت کے بھرپور نمونے ملتے ہیں۔ کہیں رس کی پتلی آگ کے گرد پھانسوریں لیتی نظر آتی ہے کبھی سہیلیوں کے جھرمٹ میں رخصت ہوتی ہے کہیں سہاگن تھال سجائے کھڑی ہے کبھی سلونی ساجن کے بیوگ میں اداس ہے۔ کہیں اشنان کے بعد الگنی پر گیلی ساڑی پھیلا رہی ہے کہیں بچے کو میٹھی لوری سنا رہی ہے، نہلا رہی ہے۔ پنگھٹ پر گوریاں پانی بھر رہی ہیں۔ ساون میں جھولا جھولا جا رہا ہے۔ گائے کو چارہ کھلا رہی ہے۔ چولہے کی سہانی آگ سے مکھڑا روشن ہے کہیں چوکا پو رہی ہے۔ بچے کے گھروندے میں دیوالی پر دیئے جلا رہی ہے۔ رکشا بندھن پر بھائی کے راکھی باندھتی ہے۔ کہیں تلسی پر پانی چڑھا رہی ہے غرض یہ سب ہندوستانی معاشرت کے وہ نمونے اور جھلکیاں ہیں جنہیں ہم صبح شام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان تمام رباعیات میں فراق نے ہندی اور سنسکرت کے الفاظ استعمال کر کے ہندوستانیت کی مہر لگا دی ہے

ان تمام موضوعات کو فراق نے رباعیات میں کس طرح سمویا ہے ملاحظہ ہوں ۔

منڈپ کے تلے کھڑی ہے رس کی پتلی
جیون ساتھی سے پریم کی گانٹھ بندھی
مہکے شعلوں کے گرد بھاونر کے سمے
مکھڑے پہ نرم پھوٹ سی پڑتی ہوئی

رنگین فضا سنگار درپن کی مثال
بول اٹھنے کو ہے سکوت اچھلتا ہے گلال
یہ شام یہ بزم ماہ ، یہ عہد وفا
جے مال پہناتے وقت سیتا کا جمال

آنکھوں میں سرشک جگمگاتا مکھڑا
وہ جشن رخصتی سہانا تڑکا
جھرمٹ میں سہیلیوں کے اٹھتے ہیں قدم
وہ گھر کی عورتوں کا بابل اگانا

چہرے پہ ہوائیاں نگاہوں میں ہراس
ساجن کی برہ میں روپ کتنا ہے اداس
مکھڑے پہ دھواں دھواں تناؤں کیطرح
بکھرے ہوئے بال ہیں کہ سیتا بن باس

آنسوں سے بھرے بھرے وہ نینا رس کے
ساجن کب لے سکھی ، تھے اپنے بس کے
یہ چاندنی رات یہ براہ کی پیڑا ——
جس طرح الٹ گئی ہو ناگن ڈس کے

اودی اودی گگن پے چھائی ہے گھٹا
ساجن کے بیوگ میں ستا سا مکھڑا
اب سوچ سنگار کی کے آتے ہیں پیا
پڑنے لگی رس کی بوند کاگا بولا

پریمی کو بخار، کھل نہیں سکتی ہے پلک
بیٹھی ہے سرہانے، چاند مکھڑے کی دمک
جلتی ہوئی پیشانی پے رکھ دیتی ہے ہاتھ
پڑ جاتی ہے بیمار کے دل میں ٹھنڈک

کس درجہ سکوں نما ہیں ابرو کے ہلال
خیر و برکت کے دھن لٹاتی ہوئی چال
جیون ساتھی کے آگے دیوی بن کر
آتی ہے سہاگن سجائے ہوئے تھال

ہودی پہ کھڑی کھلا رہی ہے چارا
جو بوز رس انکھڑیوں سے چھلکا چھلکا
کومل ہاتھوں سے، تھپکتی ہے گردن
کس پیار سے گائے دیکھتی ہے مکھڑا

کروٹ سے سو رہی ہے کھولے گیسو
پو پھٹتی ہے یا جھلک رہا ہے پہلو
پل کر مانوس ہو گیا ہے کتنا
تلووں سے مل رہا ہے آنکھیں آہو

وہ گائے کو دوہنا سہانی صبحیں
گرتی ہیں بھرے تھن سے چمکتی دھاریں
گھنٹوں پہ کلس کا وہ کھنکنا کم کم
یا چٹکیوں سے پھوٹ رہی ہیں کرنیں

چولہے کی سہانی آنچ مکھڑا روشن
ہے گھر کی لکشمی پکاتی بھوجن
دیتے ہیں کر پھلی کے چلنے کا پتہ
سیتا کی رسوئی کے کھنکتے برتن

جب جھولا جھولنے میں ساون وہ گائے
کروٹ قوسِ قزح کو رہ رہ کے دلائے
وہ پینگ بڑھانے میں لچکتا ہوا جسم
آئینۂ نیل گوں میں بجلی لہرائے

یہ ایکھ کے کھیتوں کی چمکتی سطحیں
معصوم کنواریوں کی دلکش دوڑیں
کھیتوں کے بیچ میں لگاتی ہیں چھلانگ
ایکھ اتنی اگے گی جتنا اونچا گو دیں

پنگھٹ پہ یاں چھلکنے کا یہ رنگ
پانی بچکولے دے کے بھرتا ہے ترنگ
گاندھوں پہ سروں، دونوں باہوں میں کلس
مد انکھڑیوں میں سینوں میں بھرپور امنگ

رکشا بندھن کی صبح رس کی پتلی
چھائی ہے گھٹا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح چمک رہے ہیں لچھے
بھائی کے ہے باندھتی چمکتی راکھی

کس پیار سے دے رہی ہے میٹھی لوری
ہلتی ہے سدا دل بانہہ گوری گوری
ماتھے پہ سہاگ آنکھوں میں رس ہاتھوں میں
بچے کے ہنڈولے کی چمکتی ڈوری

آنگن میں ٹھنک رہا ہے ضد پایا ہے
بالک تو ہٹی چاند پہ للچایا ہے
درپن اسے دے کے کہہ رہی ہے یہ ماں
دیکھ آئینہ میں چاند اتر آیا ہے

دیوالی کی شام گھر پٹے اور سجے
چینی کے کھلونے جگمگاتے لادے
وہ روپ وتی مکھڑے پہ اک نرم دمک
بچے کے گروندے میں جلاتی ہے دیے

چھڑکاؤ ہوئے چبوترے پر کچھ نم
بیٹھی ہے سہاگن، بدن میں کچھ خم
چٹکی سے شعاعِ نور برساتی ہوئی
ہے دیدنی چوک پورنے کا عالم

یہی وہ جھلکیاں ہیں جن سے فراق کے یہاں ہندوستانی کلچر کی تشکیل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ گلبانگ میں بھی ہندوستانی کلچر دیکھنے کو ملتا ہے اس فراق نے مادرِ ہند اور فکریات کے عنوان سے رباعیاں لکھیں جو ہر اعتبار سے نئے انداز کی رباعیاں ہیں ان رباعیات میں فراق نے روایتی لب و لہجہ سے گریز کیا ہے۔ مادرِ ہند کی رباعیات میں فراق نے ہندوستانی قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے اور انھیں حوصلہ بھی دیا ہے ہند و مخاطب کر کے بلند آہنگ کہتے ہیں کہ تری ہر صبح صبح ازل ہے اس موضوع سے متعلق فراق کی ایک رباعی ملاحظہ ہو ۔

پیغام ترا بات اٹل ہے اے ہند
ہر دور ترا ایک ہی پل ہے اے ہند
شاموں پہ تری شامِ ابد کا سایہ
ہر صبح تری صبحِ ازل ہے اے ہند

یہ رات مصیبت کی کٹنے والی
یہ کالی گھٹائیں اب ہیں چھٹنے والی
ہیں وقت کے اوراق الٹنے والے
پھر ہے تری تقدیر پلٹنے والی

وہ دیکھ نئی صبح کی پو پھوٹتی ہے
وہ دیکھ کے نبضِ شبِ غم چھوٹتی ہے
وہ دیکھ بکھرتے چلے اشکِ انجم
وہ دیکھ کہ زنجیرِ فلک ٹوٹتی ہے

ان رباعیات میں فراق حبِ وطن سے سرشار نظر آتے ہیں جہاں کی تہذیب و تمدن کے ترانے گاتے ہیں کہیں وطن کی عظمتوں کے گیت گاتے ہیں ہندوستان

کی فضا میں رشیوں کی صدائیں گونج رہی ہیں ویدوں کی رچائیں سنائی دیتی ہیں کہیں مادرِ ہند کے سہاگ کی قسم کھاتے ہیں کہ اس کی گود کو اجڑنے سے بچائیں گے، تاج رخسارِ زماں کا آنسو لگتا ہے آج کے بچوں میں کرشن کی شوخی دکھائی پڑتی ہے دنیا کی کتابوں میں بند رازوں کو ہند کے جنگلوں میں کھلا دیکھتے ہیں کہیں ہند کی مٹی سیتا اور شکنتلا کے اشکِ غم سے نرمائی ہوئی لگتی ہے انہیں عنوانات سے متعلق چند رباعیاں پیش ہیں —

تری ہر سانس میں جنا کی بو باس
دامن کی ہوا ترے زمانے کو ہے راس
حاصل ہوا دھڑکنوں سے ترے دل کی
روحانیتِ مادہ کا یہ احساس

ہر فرقہ و ہر ملت و ہر مذہب و دین
سب نے جائے پناہ پائی ہے یہیں
اولاد میں ماتا جھلکتی ہے تری
دنیا کی مادرِ وطن ہے یہ زمیں

وہ اندر دھنش وسات رنگوں کی پھوار
بہروپ دکھاتے موسموں کی رفتار
آجاتی ہے جھنکار تری پایل کی
ایک رقصِ سرمدی ہے بھارت کا سنگھار

تو نے ہی کھلائے ہیں حقائق کے وہ پھول
بیٹھی اب تک نہ جن پر قرنوں کی دھول
تاریخِ بشر ہے خیر و برکت تیری
تہذیبِ جہاں کا تو امام اور رسول

ہر غنچہ و گل جام و سبو ہے تیرا
اولاد تری جوشِ نمو ہے تیرا
ہر اہلِ وطن کو تو نے پالا پوسا
اس قوم کی رگ رگ میں لہو ہے تیرا

کنیائیں ازل کی ہے صباحت جن میں
رادھا کی اداؤں کی نزاکت جن میں
تو آج بھی جن رہی ہے ایسے بچے
ہے کرشن کی شوخی و شرارت جن میں

شعلے سے جبینوں سے لپک جاتے ہیں
مرجھائے ہوئے چہرے دمک جاتے ہیں
ان چہروں میں جن پر ہے اٹی گردِ ملال
رخ بھیشم و ارجن کے چمک جاتے ہیں

ہر نقش اجنتا کا وہ چلتا جادو
وہ حسن و جمال کہ بدلتے پہلو
وہ بت سازی کہ جان پتھر میں پڑے
ہے تاج کے رخسارِ زماں پر آنسو

پہنچے ہیں کہاں کہاں یہ تیرے فن کار
شو کا تانڈو ہے یا ہے شرسٹی سنگھار
بیشانیٔ شو، دم ہلال نوشی
وہ ابروؤں پر چڑھی کمانوں کا اتار

فطرت کی خلوتوں میں ڈالے ڈیرے
پیچ و خم زیست کے لگائے پھیرے
دنیا کے کتب خانوں سے جو پنہاں ہے
وہ راز کھلے ہیں جنگلوں میں ترے

تہذیب کی پہلی صبح کی پاک دعائیں
گونجی ہوئی ہیں فضا میں رشیوں کی صدائیں
اے گنگ و جمن کی گنگناتی لہروں —
دیتی ہیں سنائی تمہیں ویدوں کی رچائیں

ان راگوں کا راز کوئی پوچھے ہم سے
افلاک کھنک رہے ہیں تال اور سم سے
مٹی تری اے ہند ہے نرمائی ہوئی
سیتا و شکنتلا کے اشکِ غم سے

آغوشِ ملائم میں سلایا ہم کو
خاموش آواز سے جگایا ہم کو
کچھ ہم بھی بنائیں ترے بگڑے ہوئے کام
اے خاکِ وطن تو نے بنایا ہم کو

ہر غم کا ترے رنج و رحم ہے ہم کو
معلوم ترا جید بھرم ہے ہم کو
اجڑے گی نہ کوک تیری اے مادرِ ہند
ہاں تیرے سہاگ کی قسم ہے ہم کو

گلبانگ میں جو رباعیاں فکریات کے عنوان سے لکھی ہیں یہ فکر اور اسلوب ہر طرح سے مختلف ہیں ان رباعیات میں فکر و فن دونوں اپنے اعلیٰ مقام پر نظر آتے ہیں۔ ان رباعیات کو لکھنے میں حقیقتاً فراقؔ نئی اور تازہ اندازِ فکر بروئے کار لائے ہیں اس میں ان کا لب و لہجہ نئے ہونے کے ساتھ الگ بھی ہے۔ موضوعی اعتبار سے اس میں مذہب، فلسفہ، تاریخ غرض سبھی کچھ موجود ہے۔ ان کی چند رباعیاں ملاحظہ ہوں ــــ

سحر ایں زماں و مکاں کے کو جاتی ہیں
صدیوں بے دار رہ کے سو جاتی ہیں
اکثر سوچا کیا ہوں خلوت میں فراقؔ
تہذیبیں کیوں غروب ہو جاتی ہیں

قبل اس کے کہ ہو فیصلۂ خیر و شر
جینے کا ثبوت دے زمانے کو بشر
بے حس کردارِ نیک سے موت بھلی
ناحرار اخلاق سے جرائم بہتر

ایک حلقہ نور تھا ابد کا منظر
آویزاں بے شمار خورشید و قمر
ناحدِ نظر سلسلۂ موجودات ــــ
ہر شے سے ابھر رہی تھی تقدیرِ بشر

ہر سانس سے ہوتی نہیں دھن پیدا
ہوتا ہے قسمتوں سے یہ گن پیدا
گہوارۂ تہذیب میں صدیوں پل کر
ہوتا ہے حیات میں توازن پیدا

میں ایک بہو گئی برہا سے بے کل
ہریالی پہ چل رہی ہوں آنکھیں ہے سجل
یہ تاروں بھری رات کھنک جاتی ہے
شبنم پاؤں کی بن گئی ہے چھاگل

من موہ لے سو رنگ سے رہتی دنیا
یہ وہم حسیں یہ خوبصورت دھوکا
اس دکھ بھری دنیا کا مگر اصلی روپ
جب آنکھ کھلی فراق دیکھا نہ گیا

کل لندن و نیویارک میں گونجی یہ صدا
معلوم بھی ہے روز حساب آ پہنچا
کب تک یہ ملوکیت کے خواب نوشیں
بھاگو بھاگو کہ ایشیا جاگ اٹھا

شاعر کے تصورات ہیں کتنے حسین
ایک عالم رنگ و نور رقصاں ہے کہیں
جیسے دم صبح لہلہاتی کرنیں
جب چوم رہی ہوں وہ ہمالہ کی جبیں

شاخوں پہ کنول گل کے جلا دیتی ہیں
سوئے ہوئے فتنوں کو جگا دیتی ہیں
یہ عالم سوز و ساز گلزار جہاں
شبنم کی لویں آگ لگا دیتی ہیں

اے شیخ مآل زہد و تقویٰ معلوم
دنیا ہی نہ ہاتھ آئی تو عقبیٰ معلوم
انکار ہے ما سوائے اللہ سے تجھے
خاموش کہ ما سوائے دنیا معلوم

وہ پھوٹ مذاہبِ جہاں نے ڈالی
اخلاق میں بھی پڑ گئی نفسی نفسی
اخلاق حیاتِ اجتماعی کی ہے دین
ماحول کی میراس نہیں بٹ سکتی

جب بھی فراق کی رباعیات کا تذکرہ ہوا تو روپ کی رباعیات ذکرِ بحث رہی ہیں گلبانگ، روحِ کائنات کی رباعیات کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ یہ بدسلوکی گلبانگ کی رباعیات کے ساتھ زیادہ کی گئی۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کے یہاں گلبانگ کی رباعیات کا تذکرہ ملتا ہے وہ بھی سطحی اور سرسری۔ روحِ کائنات کی رباعیوں کا تذکرہ عموماً ابتدائی رباعیوں کے ضمن میں ہو جاتا ہے لیکن جس توجہ کی حق دار یہ رباعیاں ہیں انھیں وہ توجہ نصیب نہیں ہو سکی۔ روپ کے دیباچے میں فراق کا یہ بیان ——

"شاعری میں میری کوششیں خواہ غزل ہو یا نظم یا رباعی محض اضطراری چیزیں نہیں تھیں بلکہ ان کوششوں میں، میں ہندوستان اور ہندوستان کے کلچر کی تھرتھراتی ہوئی زندہ رگوں کو چھو لینا چاہتا تھا۔"[1]

جگن ناتھ آزاد صاحب کی تنقید کا نشانہ بنا۔ انھوں نے روپ موجود رباعیات

---

[1] "روپ" - فراق - چند باتیں ص ۱۱

کو دو عنوانات سے نوازا "معشوقہ یا معشوق کا سراپا" عورت کے بدن کو چھو لینے کا عمل۔

فراق کے بیان سے یہ مطلب کس طرح نکلتا ہے کہ فراق نے صرف روپ کی رباعیات میں ہندوستانی کلچر کی تقریقرانی رگوں چھو لینا چاہا ہے؟ بلکہ وہ تو اپنی تینوں اصناف (غزل، نظم، رباعی) کے بارے میں کہتے ہیں ۔ دوسری اصناف کا تذکرہ بے محل ہوگا اس سے ان کا تذکرہ مناسب نہیں بحث یہاں صرف ان کی رباعیات سے ہے ۔ گزارش ہے کہ روپ ہی کی رباعیوں کو نہ دیکھا جائے بلکہ گل بانگ میں "مادرِ ہند، فکریات" کے عنوان سے لکھی گئی رباعیوں کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔ تب کسی رائے کا اظہار یا بیان وزن دار ہوگا۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر سلام سندیلوی صاحب کا ایک بیان ملاحظہ ہو ۔

فراق کی شاعری کا تعلق بھی ہندوستان کی خاک سے ہے اس سے انھوں نے ایوانِ شاعری کے لیے ہندوستان ہی سے سنگ و خشت حاصل کیے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ان کی شاعری میں ہندو اساطیر، ہندو مذہب کے کرداروں اور ہندی تراکیب کی کثرت ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی شاعری مکمل طور سے ہندوستانی بن جاتی ہے ۔ ۔ ہندی کے الفاظ صرف آوازیں نہیں ہیں بلکہ ان میں ہندوستان کی تہذیبی، تمدنی، سماجی، مذہبی اور روحانی زندگی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ فراق کی شاعری میں ہندوستان کی روح کروٹیں لے رہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کے زیادہ تر شعراء نے ہندوستان ہی کے حالات اور واقعات سے اپنی شاعری کو سنوارا ہے اور اس سرزمین سے اپنے جذبات کو وابستہ کیا ہے مگر فراق نے جس قدر ہندوستان

کو اپنی شاعری میں سمویا ہے، اس کی مثال دوسرے شعراء کے
یہاں مشکل سے ملے گی۔ فراقؔ کی شاعری سے خاکِ ہند کی سوندھی
سوندھی خوشبو نکلتی ہے۔" [1]

تمام خوبیوں اور خامیوں سے قطع نظر فراقؔ کی رباعیاں اپنے اندر ایک خاص قسم کی کشش اور جاذبیت رکھتی ہیں ان کو پڑھ کر ایک عام قاری بھی بے ساختہ واہ کہہ اٹھتا ہے۔ فراقؔ کی رباعیات میں موجود خاکِ ہند کی سوندھی سوندھی خوشبو نے انھیں اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے۔

زبان و بیان رباعی میں فراقؔ نے متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا۔ لیکن ان کا خاص میدان شرنگار رس، ہندوستانی کلچر اور خاص کر ہندو گھرانے کا دیہی ماحول۔ یہی موضوعات اپنی تمام آن بان کے ساتھ فراقؔ کی زیادہ تر رباعیات میں جاری و ساری نظر آتے ہیں۔

ان موضوعات کے بیان میں وہی لب و لہجہ، زبان و بیان، تراکیب، تشبیہات و استعارات، تلمیحات کا استعمال کرتے ہیں جو ان موضوعات سے مطابقت رکھتی ہیں انہیں وجوہ کی بنا پر ان کا اثر بہت پر زور ہو جاتا ہے اور وہ قاری پر وہی کیفیت طاری کر دیتے ہیں جو خود محسوس کرتے ہیں اس کے بعد قاری خود کو اسی ماحول میں محسوس کرتا ہے جہاں کا بیان شاعر کر رہا ہے۔

فراقؔ کے ابتدائی دور کی رباعیات روایتی پیرائے بیان لیے ہوئے ہیں ان رباعیات میں فراقؔ کا روایتی انداز وہی عجمی لب و لہجہ، فارسی و عربی الفاظ و تراکیب، روایتی موضوعات، اخلاق، نفسیات، دنیا کی بے ثباتی، عشقِ حقیقی عشقِ مجازی اور اس میں ناکامی ہے۔ فراقؔ کی اس دور کی رباعیات کا معشوق اور شاعری کے روایتی معشوق کی طرح ہے جس کا نام لے لے کر فراقؔ خاموشی سے

---

[1] نیا دور۔ حصہ اوّل۔ ص 89

سے روتے اور آہیں بھرتے ہوئے نظر آتے ہیں اس دور کی رباعیات کے بارے میں جمیل جالبی اپنی رائے ان الفاظ میں دیتے ہیں —

"اس دور میں شاعر نے زیادہ تر بزم نشاط کے ترانوں کو چھوڑ کر دکھتے ہوئے دلوں کی کہانی سنائی۔ اٹھ اٹھ کے جھکی نگاہِ جانا کی کیفیات کا ذکر چھڑا اور کبھی دکھتے ہوئے دل کا مراد اشام ہجرا کا نام لیکر رونے میں تلاش کیا اور اس بات کا احساس کیا کہ جینے کا مزہ کسی پر مر کر ہی ملتا ہے اسی دور میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اداس رہنے کی عادت پڑ گئی ہے اس کا معشوق اردو شاعری کے قدیم اور روایتی معشوق سے مشابہ ہے مرگ بستر، جنازہ جیب و داماں، مینا، میکدہ، سرائے، مجاز، محجاب روئے زیبا قسم کے الفاظ و تراکیب عام ہیں مایوسی پوری رباعیوں پر طاری ہے عربی فارسی کا اثر نمایاں ہے کچھ رباعیاں اخلاق، نفسیات اور بے ثباتیٔ دہر سے متعلق ہے"[1]

روحِ کائنات کی رباعیوں میں فکر کی وہ گہرائی جو بعد کی رباعیوں میں پائی جاتی ہے نہیں ملتی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ رباعیاں کم تر درجے کی ہیں بلکہ ان کی اپنی ہی شان نظر آتی ہے اور ساتھ ساتھ فراق کے پختہ مشق شاعر ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہیں ان کی یہ رباعیاں دوسرے رباعی گو شعراء سے کسی طرح کم درجے کی نہیں ان رباعیات میں فراق کا زورِ بیان بھرپور نظر آتا ہے بلکہ فنی اور عروضی اعتبار سے بعد کی رباعیوں سے حد درجہ بہتر ہیں اڑسٹھ[68] رباعیات میں سے دو کے علاوہ تمام کی تمام رباعیاں عروضی اعتبار سے بالکل صحیح ہیں۔ ایک رباعی میں کاتب سے غلطی ہوئی ہے اور ایک رباعی میں فراق سے سہو ہو گیا ہے۔ ایسے دونوں مصرعے درج ذیل ہیں —

ع۱ "مایوس دلوں کو چھیڑتے جاتے بھی نہیں"

اس مصرعے میں "چھیڑتے" کا "تے" زیادہ ہے اگر مصرع یوں ہوتا ۔۔

مایوس	دلوں کو چھیڑ	جاتے بھی	نہیں
مفعول	مفاعلن	مفاعیلُ	فعل

تب مصرع موزوں بھی ہو جاتا ہے اور روانی اور معنی میں بھی فرق نہیں آتا اس لیے اس بات کا قوی امکان ہے کہ "تے" کا اضافہ کاتب کا مرہونِ منت ہو

ع۲

ہوتی نہیں	سہل گریہ	مشکل نہ	سہی
مفعولن	مفاعیلن	مفعولُ	فعل

اس مصرعے میں پہلا رکن مفعول یا مفعولن ہوتا اگر اس مصرعے کے پہلے رکن کو مفعول کے وزن پر لائیں تو اس میں ایک سبب خفیف زائد ہوتا ہے

گلبانگ میں موجود مادرِ ہند کے عنوان سے لکھی گئی رباعیات میں بھی فراق سے کچھ عروضی کوتاہیاں ہوئی ہیں ان میں سے کچھ کاتب کی اور کچھ فراق کی ہیں ۔

ایسے ہی کچھ مصروں کی تقطیع ملاحظہ ہو جن میں عروضی اسقام ملتے ہیں

مٹی میں	ہے تری شا	ن ارضِ جنت
مفعولن	فاعلاتن	مفاعیلن نع

رباعی کے ارکان میں فاعلاتن نہیں ہوتا ۔ اس لیے مندرجہ بالا مصرع غلط ہے ۔

ظلمات	کے سینے میں	بقول را	دی
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	نع

اس مصرعے کے آخر میں مفعول یا فعل آنا چاہیئے تھا ۔

تہذیب	جہاں کا تو	امام ور	سول
مفعول	مفاعلن	مفاعیلُ	نا ع

اس مصرعے کے آخر میں بھی فعل یا فعول آنا چاہیئے تھا ۔

اب ایک ہی رباعی کے دو مصرعوں (دوسرے اور تیسرے) کی تقطیع ملاحظہ ہو :

شو کا تا	نڈو ہے یا	ہے	سرشٹی	سنگار
مفعولن	فاعلن	فع	مفاعیلن	فاع

پیشانی	شودم	ہلاہل نی	ستی
مفعولن	فعلن	مفاعیلن	فع

پہلے مصرعے میں "ہے" زیادہ ہے اور اسے اس طرح ٹھیک کیا جا تا۔
اس میں سے "ہے" کو نکال دیں مصرع اپنی جگہ ٹھیک ہو جائے گا
دوسرے مصرعے میں ایک حرف کم ہے دوسرے رکن میں فعلن کی جگہ اگر
مفعول ہوتا تو مصرع موزوں ہو سکتا تھا۔

آواز	میں ٹھنڈکیں	گو	بجتی ہیں کہ	ہے
مفعول	مفاعلن	فع	مفاعیلن	فع

اس مصرعے کے دوسرے اور تیسرے رکن کے درمیان ایک سببِ خفیف زیادہ
ہے۔

اک مکانِ	شرافت ہیں	کھلے تن میں	بھی
فاعلاتُ	مفاعیلُ	مفاعیلن	فع

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ رباعی کا پہلا رکن مفعول یا مفعولن ہوتا ہے فاعلاتُ
رباعی کا کوئی رکن نہیں۔

منڈلائی ہوئی	گھٹاؤں میں	سے شانِ جبرئیل
مفعول	مفاعلن	مفاعیلن فاع

اس میں "ہوئی" زیادہ ہے یہ مصرع یوں ٹھیک ہو سکتا ہے ۔

منڈلائی گھٹاؤں میں سے شان جبریل

اب مصرع موزوں ہو گیا اور معنی میں بھی کوئی فرق نہیں آیا

دنیائے	صور کی	معنویت	سمجھیں
مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فعلن

اس مصرعے کے آخر میں فع اور یا فاع آنا چاہیئے اب اس میں ایک سبب خفیف زیادہ ہے ۔

گلبانگ میں ہی موجود فکریات کے عنوان سے لکھی گئی رباعیات میں بھی چند عروضی اسقام ملتے ہیں ان میں سے کچھ رباعیات کے مصرعوں کی تقطیع پیش ہے ۔

کچھ نظر	آئے ہیں ہر	تمدن کی	بنا
فاعلن	مفعولن	مفاعیلُ	فعل

اس مصرعے میں پہلا رکن فاعلن اور دوسرا رکن مفعولن ہے فاعلن رباعی کا پہلا رکن نہیں ہوتا دوسرے رکن میں مفعولن نہیں آ سکتا ۔

ان گنت	مشیتوں	کو جانچا پر	کھا
فاعلن	مفاعلن	مفاعیلن	فع

اس مصرعے کی ابتدا میں فاعلن ہے جو غلط ہے ۔

بل کھائی	ہوئی	جبیں کی کہکشاں اے سا	قی
مفعول	فع	مفاعلن مفاعیلن	فع

اس مصرعے میں مفعول کے بعد ایک سبب زیادہ ہے یہ مصرع اس طرح موزوں ہو سکتا تھا۔

بل کھائی جبیں کی کہکشاں اے ساقی

اس طرح معنویت میں بھی کوئی فرق نہیں آتا

کونین ان	میں سے جھا	نکتے ہیں	اے سا	قی
مفعولن	فاعلن	مفاعیلن		فع

اس مصرعے سے اگر "اے" نکل جائے تو مصرع ٹھیک ہے اور مصرع ٹھیک ہو سکتا ہے۔

کونین ان	میں سے جھا نکتے ہیں سا	قی
مفعولن	فاعلن	مفاعیلن فع

اس کے پہلے رکن میں الف وصل ہوا ہے۔

نشے سے	بڑے بڑوں	نے مانگی ہے	اماں
فعولن	مفاعلن	مفاعیل	فعل

اس مصرعے کا پہلا رکن فعولن ہے اور رباعی کا کوئی رکن فعولن نہیں ہوتا۔
یہاں ناممکن ہے کہ گلبانگ کی ان تمام رباعیات یا مصرعوں کی نشاندہی کی جا سکے جو ناموزوں ہیں اس لیے چند کی نشاندہی کی ہے۔

اس کے برخلاف اگر روپ کی رباعیوں کو دیکھا جائے تو ان میں فنی کوتاہیاں زیادہ ملیں گی ممکن ہے اس کی وجہ فراق کے روپ کی رباعیاں ارادتاً وجود میں آئیں ان میں فراق کی کوشش یہ رہی کہ ہندی سنسکرت کے الفاظ اور ہندوستانی ماحول کو پیش کریں اس خیال کو فراق نے روپ کی رباعیات میں عملی جامہ پہنایا ہے فراق ہی کے الفاظ میں ان کا یہ خیال ملاحظہ ہو روپ میں "چند باتیں" کے عنوان سے لکھتے ہیں —

"ان رباعیوں میں میں نے اس کی کوشش کی ہے کہ موقعے موقعے سے نہایت احتیاط سے سنسکرت الفاظ لائے جائیں اور اردو کی فصاحت میں بالکل فرق نہ آنے پائے۔"[1]

اگر دیکھا جائے تو موضوعی اعتبار سے یہ رباعیاں بالکل نئی ہیں مختلف ادوات اور مختلف انداز میں متعدد نقادوں نے ان رباعیات پر تنقید کی۔ جن لوگوں نے فراق کی رباعیوں کی مذمت کی ان میں اثر لکھنوی صاحب کا نام سرِ فہرست ہے اثر صاحب نے موضوعات پر اعتراض کرنے کے ساتھ ساتھ فنی عیوب کی بھی نشان دہی کی ہے لیکن کہیں کہیں اثر صاحب کے اعتراضات غلط ثابت ہوئے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں :

"بقول فراق سکمار کے معنی نازک بدن دوشیزہ، پہلے تو مجھے دھوکا ہوا کہ دوشیزہ بدن کا روپ بھرا ہے۔ پھر الٹا ہوا کہ "پوشیدہ غنچہبی" کی سند کے پیش نظر دوشیزہ بدن، کنوارہ پنڈا کی فارسی ہے۔ جب خلفشار سے فراغت ہوئی تو ڈکشنری سے رجوع کی تاکہ سکمار کے معنی اور تلفظ سے آگاہی ہو گئی اس کے علاوہ نرم و نازک کے معنی خوبصورت نوجوان کے بھی ہوتے ہیں گات عام طور پر جسم کے حصے کو کہتے ہیں مگر شاعری میں اس کا استعمال عورت کے سینے تک محدود ہے۔"[2]

---

[1] "روپ"۔ فراق گورکھپوری بعنوان چند باتیں ص 13

[2] "اثر لکھنوی" چھپان بین ص 33-

اثر صاحب نے یہاں صحیح اعتراض نہیں کیا بقول ان کے فراق خود سکمار گات کے معنی نازک بدن دوشیزہ لکھتے ہیں پھر بھی اثر صاحب اس کے غلط مطلب نکال بیٹھے ہیں ان کے اس تنقید پر افغان اللہ خاں ان الفاظ میں اظہارِ خیال کرتے ہیں :

" اثر لکھنوی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ سکمار کے معنی نرم و نازک کے ہیں اور گات جسم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس طرح سکمار گات کے معنی نرم و نازک بدن۔ نہیں معلوم اثر صاحب کو یہ اطلاع کس نے دی کہ گات عورت کے سینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اگر کسی نے ہندی لغت میں یہ معنی دیئے ہوئے ہیں تو بھی یہ لفظ عورت کے سینے کے معنوں میں کہیں استعمال نہیں ہوا یہ لفظ صرف جسم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے سکمار الگ لفظ ہے اور گات الگ، دونوں مل کر سکمار گات ہے جس کے معنی صرف نازک بدن کے ہوتے ہیں۔ فراق نے نازک بدن دوشیزہ اس رعایت سے بتایا ہے کہ چوتھے مصرعے میں جوبن مدھ کلس کہا ہے جو صرف عورت کی صفت ہے۔" [1]

اثر صاحب نے کچھ اور الفاظ پر بھی اعتراضات کیے ہیں جیسے :

" نبھو منڈل، بقول حضرت فراق آکاش منڈل یا نظامِ شمسی اگر ڈکشنری صحیح رہنما ہو سکتی ہے تو نبھو، آسمان، فضا، کرۂ ہوا وغیرہ ہے اور منڈل کا مفہوم بالذات نظامِ شمسی نہیں ہو سکتا۔" [2]

اثر صاحب کے علاوہ اظہر علی فاروقی صاحب نے اپنے مضمون "فراق گورکھپوری کا ایک روپ انوپ" میں فراق کی رباعیات پر تنقید کی ہے اس میں اظہر صاحب نے فراق کے الفاظ، تشبیہات اور استعارات کو اپنا موضوعِ بحث بنایا

---

[1] فراق کی شاعری - ڈاکٹر افغان اللہ خاں ص-623 اور 624

[2] اثر لکھنوی - چھان بین ص 296

اس کے علاوہ ان کے موضوعات پر بھی بحث کی ہے۔ موضوعات کے سلسلے میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

"گھریلو زندگی کی جو باتیں فراق صاحب محترم کے پیش نظر رہی ہیں اس میں شک نہیں کہ حقیقی اور واقعی ہیں مگر بہت عام اور آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ناقص مشاہدہ کی کارفرمائی ہے۔ ان کی نظر سے ان چیزوں پر پڑی جو بہت عام ہیں اور سبھی جانتے ہیں۔" [1]

اس اعتراض کے بعد وہ فراق صاحب کو لوک گیت کے موضوعات نظم کرنے کا مشورہ بھی دیتے ہیں ان کے ہی الفاظ میں ملاحظہ ہو :

"اگر محترم خواہ مخواہ سنسکرت ادب کے نہ پڑ جاتے اور اپنے وہاں کے لوک گیتوں ہی کی طرف متوجہ ہوتے تو انھیں ایسے بول سننے کو مل جاتے۔ کہیں کہ ہاتھ چٹھی لکھ بھیجوں کہیں ہاتھ سندیس۔ ساس موری ماری نند گریا دے .. .. .. بولاؤ ڈولیا میں تو ہیکے چلی رے .. .. .. وغیرہ وغیرہ جن کو وہ رباعیوں میں جگہ دے سکتے تھے۔" [2]

اب اطہر صاحب سے کوئی یہ پوچھے کہ جب یہ سب موضوعات لوک گیتوں میں تھے تو پھر فراق ان کو کیا نظم کرتے دوسرے یہ کہ فراق نے خود اپنے مجموعے کے دیباچے میں کہہ دیا ہے کہ "میرا مقصد شہر نگار رس کی رباعیاں لکھنا ہے" اس نظریے سے فراق کے موضوعات مناسب ہیں اس کے علاوہ فراق نے اردو شاعری کا مخصوص ایرانی ماحول رباعیوں میں پیش کیا ہے۔

جہاں فراق نے اپنی رباعیوں میں آسان ہندی سنسکرت الفاظ کا استعمال کیا ہے وہاں نامانوس، ثقیل الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے جو اردو کے نازک

---

[1] "نیا دور" - فراق نمبر حصہ دوم ص - 68
[2] ایضاً

بدن پر بار گراں محسوس ہوتے ہیں جیسے ادھروں، ماگھ میلا، سکمار، گات، پدگامنی، نکھ سکھ، مدھوبن، دیپ شکھا، کلیکا، نبھوں، پربھاوت، کرونڑا رس، جیون چرتر وغیرہ اب ایسی ہی چند رباعیاں ملاحظہ ہوں جن میں ان الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے —

آنکھوں میں کنمنا رہی ہے بجلی
وہ دھج کہ ہو جیسے راگنی آ کے کھڑی
وہ روپ کہ جینا جاگتا جیون سوپن
وہ رنگ اوشا کے جیسے ادھروں پہ ہنسی

ان انکھڑیوں میں سرور ہلکا ہلکا
مکھڑے میں بہاگ راگ دہکا دہکا
جیسے دیوی کھڑی ہو جھرمٹ مارے
ماتھے کا چندر لوک دمکا دمکا

منہ اٹھائے ہرن کے بچے کو کومل لوچن
پو پھٹنے کی جھنکار لیے مدھر بچن
کمپت ہے اساوری کہ الکوں کی لٹیں
دیپک کا نرم راگ سکمار بدن

پلکوں سے پڑ رہی ہے امرت کی پھوار
جوبن میں بسنت کی ترنگوں کا ابھار
یہ دیپ شکھا سی ناک کلیکا سے ادھر
وہ رنگ کہ کر رہی ہے اوشا شرنگار

اکھوں کی لٹک میں سانپ کنڈلی مارے
پلکوں میں ہوں جیسے جھلملاتے تارے
سندر سکمار گات اوشا کی چھٹا
جوبن کہ مدھ کلس پہ سورج وارے

مدھوبن کے بسنت سا سجیلا ہے وہ روپ
برکھا رت کی رت کی طرح رسیلا ہے وہ روپ
رادھا کی جھجک کرشن کی بر زوری ہے
گوکل نگری کی راس لیلا ہے وہ روپ

ان کے علاوہ فراق کے یہاں ایسی اور بھی رباعیاں مل جائیں گی جن میں ہندی اور سنسکرت کے ثقیل الفاظ ہیں ایک ایسی رباعی جس میں سنسکرت کا نہایت ثقیل لفظ ہے ملاحظہ ہو :-

کرونڑا رس کی سریلی کوتا ہے بدن
اٹھتے ہوئے درد کا ترانا ہے بدن
رادھا کے آنسوؤں کے ہلتے ہوئے تار
کل گوپیوں کے براہ کی پیڑا ہے بدن

دوشیزہ فضا میں لہلہایا ہوا روپ
آئینۂ صبح میں جھلکتا ہوا روپ
یہ نرم نکھار، یہ سجل دھج یہ سگندھ
رس میں ہے کنوارے پن کا ڈوبا ہوا روپ

کھلتی کلی، مسکراتے ہونٹوں کی مہک
منڈلاتی ہوئی گھٹائیں اکلوں کی لٹک
جوبن کہ مدھ کلس بھی چھلکے چھلکے ——
ماتھے کے چندن۔ نوک کی نرم دمک

تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لے لیتی ہے
دکھ درد زمانے کے مٹا دیتی ہے
سنسار کے تپتے ہوئے ویرانے میں
سکھ شانت کی گویا تو ہری کھیتی ہے

تیرے قدموں میں چاند سر کے بل جائے
مکھڑے پہ پڑے نظر تو سورج ڈھل جائے
اوشا کی لالما ہو پانی پانی ——
شرمانے کی یہ ادا کہ بجلی گل جائے

اڑ کر وہ کبوتروں کی ٹکڑی اتری
وہ روپ کی لکشمی ہے سواگت کو کھڑی
دہکے چہرے پہ پھڑپھڑاتے ہوئے پر
کاندھوں پر، سینہ اور سر پر بیٹھی

جوبن رس پتیلوں کے اندر ڈولے
اس نرمل جل میں روپ مریم دھولے
نا نرم نظر کی سیج، پلکوں کی یہ چھاؤں
سوئی ہے سہاگ رات گیسو کھولے

یہ روپ مدن کے بھی خطا ہوں اوسان
یہ سیج جو توڑ دے رتی کا ابھیمان
پھیکی پڑتی ہے دھوپ یہ جوبن جوت
یہ رنگ کہ آنکھ کھول دے جیون گان

کرونڑا رس کی سریلی کوتا ہے بدن
اٹھتے ہوئے درد کا ترانا ہے بدن
رادھا کے آنسوؤں کے ہلتے ہوئے تار
کل گوپیوں کے برہ کی پیڑا ہے بدن

پہنچے ہیں کہاں کہاں یہ تیرے فنکار
شو کا تانڈو ہے یا ہے سرشٹی سنگھار
پیشانیٔ شو دم ہلاہل نوشی ——
وہ ابروؤں پر چڑھتی کمانوں کا اتار

ان کے علاوہ فراق کے یہاں ایسی اور بھی متعدد رباعیاں مل جائیں گی جن میں ہندی اور سنسکرت کے ثقیل الفاظ ہیں۔ اسی طرح کی رباعیوں کے الفاظ کو دیکھ کر تسکینہ فاضلی رقم طراز ہیں :

"یہ صحیح ہے کہ فراق کی روپ کی رباعیات میں بعض جگہ سنسکرت کے تتسم الفاظ مکمل طور سے نہیں کھپ سکے ہیں۔" [1]

سنسکرت ہندی الفاظ کے ساتھ ساتھ فراق نے اپنی رباعیات میں ہندی ادب کی تلمیحات کو بھی پیش کیا ہے جس سے فراق کی رباعیوں میں ہندوستانی کلچر کا رنگ اور گہرا ہو جاتا ہے جیسے کرشن کی بنسی، کملی بن، گھنشیام کی بانسری، کامدیو، سیتا کا جے ملا، شیو کا وش پان، گنگا اشنان، گنگا جمنا سرسوتی، شیو کی جٹا، رادھا کا ہولی کھیلنا وغیرہ جیسی تلمیحات ہمیں روپ کی رباعیوں میں ملتی ہیں اس کے علاوہ گلبانگ میں موجود مادرِ ہند کی رباعیوں میں بھی ہندوستانی تلمیحات سے کام لیا گیا ہے جیسے کرشن کی شرارت کا ذکر ایک رباعی میں ملتا ہے ایک میں بھرت کے تخت و تاج چھوڑنے کا تذکرہ کرتے ہیں :

کنیائیں ازل کی ہیں صباحت جن میں
رادھا کی اداؤں کی نزاکت جن میں
تو آج بھی جن رہی ہے ایسے بچے
ہے کرشن کی شوخی و شرارت جن میں

ماتا تیرے فرزند بھرت کا کردار
وہ تخت و تاج چھوڑنے کا ایثار
رہتے ہوئے رام کی غریب الوطنی —
ٹھوکر سے قدم کی وہ اہلیا ادھار

---

[1] انجمن ترقی اردو ہند - فراق نمبر ص ۱۱۵

"روپ" سے تلمیحات کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

جب پریم کی کھاٹیوں میں ساغر اچھلے
جب رات کی وادیوں میں تارے چھٹکے
نہلاتی فضا کو آئی رس کی پتلی
جیسے شو کی جٹا سے گنگا اترے

ہنگام خرام وہ غزالِ بدمست
نقشِ کفِ پا کی شوخیاں شعلہ بدست
دو پاؤں سے چوکڑی بھرے ہرڈگ میں
ارجن کی کماں سے چھوٹے ناوک کی ہے جست

رنگیں فضا سنگار درپن کی مثال
بول اٹھنے کو ہے سکوت اچھلتا ہے گلال
یہ شام یہ بزم ماہ، یہ عہد وفا —
جے مال پہناتے وقت سیتا کا جمال

فراق نے اردو شاعری کو تازہ تشبیہات سے نوازا اور نئے استعارات خلق کیے فراق نے ان روایتی تشبیہات سے گریز کیا جو اردو شاعری کا خاصہ ہیں انھوں نے اپنی تشبیہات کے ذریعہ ہندوستانی روایات کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ فراق کی نادر تشبیہات کے چند نمونے پیش ہیں :

وہ گائے کو دوہنا سہانی صبحیں
گرتی ہیں بھرے تھن سے چمکتی دھاریں
گھٹنوں پہ کلس کا وہ کھنکنا کم کم
یا چٹکیوں سے چھوٹ رہی ہیں کرنیں

دودھ کی دھاروں کو کرنوں سے تشبیہ دینا ایک نئی اور انوکھی مثال ہے

لہروں میں کھلا کنول نہائے جیسے
دوشیزۂ صبح گنگنائے جیسے
یہ روپ یہ لوچ یہ ترنّم یہ نکھار
بچہ سوتے میں مسکرائے جیسے

یہاں روپا کے لوچ کو سوتے ہوئے بچے کی مسکراہٹ سے تشبیہ دینا فراق کا ہی خاصہ ہے۔ اس تشبیہ نے رباعی کو فن کا نادر اور اچھوتا نمونہ بنا دیا ہے اسی طرح کی چند اور نرالی تشبیہات ملاحظہ ہوں ۔

کتنا بھرپور دن تھا تو تھا جب پاس
گاتے ہوئے لمحوں کا وہ رنگین احساس
جاتے ہی تیرے ہوا وہ عالم جیسے ـــــ
تہوار کے بعد شام سونی اور اداس

رس میں ڈوبی تو اور نکھری شوخی
دھلکے شبنم سے جیسے کھلتی ہو کلی
معصوم ہے کتنی روٹھ جانے کی ادا
آنکھوں میں اشک اور ہونٹوں پہ ہنسی

دوشیزہ کرن کلی کو جیسے اکسائے
رس رنگا، سنگد کے چراغوں کو جلائے
اس چندر مکھی کی مسکراہٹ میں وہ لوچ
شبنم میں کمل کے جیسے گوندا بل کھائے

ایک اچھوتی استعاراتی رباعی ملاحظہ ہو :

موتی کے ہار بن کے پھولوں میں رہی
راتوں کا چراغ بن کے تا صبح جلی
پر لگ گئے جب سحر کے غنچے چٹکے
پڑتے ہی کرن اڑی وہ شبنم کی پری

امرت میں دھلی ہو فضائے سحری
جیسے شفاف نرم شیشے میں پری
یہ نرم قبا لہلہاتا ہوا روپ ——
جیسے ہو صبا کی گود پھولوں سے بھری

ہلتے ہیں ہوائے نرم رو سے کم کم
پتے ہیں کہ زیستِ سرمدی کے پرچم
خوشے ہیں کہ جگمگاتی قندیلیں ہیں
انگورِ چمن کی شاخِ محراب حرم

اک چشمۂ نور پھوٹتا ہو جیسے
فوّارۂ صبح چھوٹتا ہو جیسے
انگڑائیاں لے رہا ہے خوابِ دوراں
صدیوں کا خمار ٹوٹتا ہو جیسے

ہر نقش اجنتا کا وہ چلتا جادو
وہ حسن وہ جمال کے برتے پہلو
وہ بت سازی کہ جان پتھر میں پڑے
ہے تاج کے رخسارِ زماں پر آنسو

فراق کی رباعیوں میں حسنِ تشبیہات کے ساتھ ساتھ عروضی اسقام بھی ملتے ہیں اس بنا پر گیان چند جین فراق کی عروضی حس کو کمزور بتاتے ہیں اور مثال میں متعدد مصرعے پیش کیے ہیں جو مختلف مجموعوں سے منتخب کیے گئے ہیں انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو ــــ

"مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ وہ غیر موزوں مصرعے کہہ جاتے ہیں تفصیلی جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ فراق کی عروضی حس جتنی کمزور تھی مشاہیرِ شعراء میں اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔" [1]

گلِ نغمہ کے دو مصرعے پیش ہیں جنھیں جین صاحب نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے ــــ

ص ۲۸۵

جاڑے کی	سہانی دھوپ	کھلے گیسو	کی
مفعول	مفاعلان	مفاعیلن	فع

پر چھائیں چمکتے صفحے پر پڑتی ہوئی

مفاعلان کی جگہ مفاعلن یا مفاعیل ہونا چاہیے۔ یعنی دھوپ کی "پ" یا سہانی کی "نی" زائد ہے

ع جاڑے کی بھلی دھوپ کھلے گیسو کی۔ کہیں تو مفعول مفاعیل مفاعیلن فع پر موزوں ہو جاتا ہے۔

ص ۲۸۸

او شاچھلے کو کن منائے جیسے

رس کلیوں کی رگوں میں تھرتھرائے جیسے

مفعول	مفاعلن	مفاعیلن فع

دوسرے مصرعے کی ابتدا میں ایک سببِ خفیف یعنی رس، زائد ہے یوں کہنے سے مصرع موزوں ہو سکتا ہے

رس کلیوں کی رگ میں تھرتھرائے جیسے

---

[1] نیا دور - فراق نمبر حصہ اوّل ص 218

ع رس گل کی رگوں میں تھرتھرائے جیسے

ع رس رگ میں کلی کی تھرتھرائے جیسے

گل بانگ سے بھی کچھ مصرعے انھوں نے پیش کیے ہیں ان میں سے چند پیش ہیں

ص ۴۷ ہم سب تیرا دکھ درد مٹا سکتے ہیں

پھر دھرتی کو تری سورگ بنا سکتے ہیں

مفعول مفاعیل / مفاعیلن فع

دوسرے مصرعے کی ابتدا میں "پھر" زائد ہے

ص ۵۱ تیرے لیے کاش جیتے مرتے ماتا

تجھ سے رس / لے کے نکھرتے ماتا

مفعولن / فعل مفاعیلن فع

فعل کی جگہ مفعول آنا چاہیئے یعنی ایک سبب خفیف کی کمی ہے۔ فراق کے مزاج کو دیکھتے ہوئے یقین ہے کہ انھوں نے رس جس کہا ہوگا جس سے مصرع درست ہو جاتا ہے

ہے عکس جبیں یا ہے کمر کی زنجیر

یہ رات اور یہ آکاش گنگا کی لکیر

آکاش گنگا سے مراد ہے کہکشاں آکاش کو اکاش پڑھا جائے تب ہی مصرع موزوں ہوگا۔"[1]

اس کے علاوہ بھی جین صاحب نے مصرعے نقل کیے ہیں ان میں چند مصرعے غلط نقل ہو گئے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جین صاحب نے جن مجموعوں سے یہ مصرعے نقل کئے ہیں وہ مجموعے نہایت غلط چھپے ہیں اسی سلسلے میں افغان اللہ خاں لکھتے ہیں

"گیان چند جین نے فراق کے ایسے مجموعوں کو بنیاد بنایا ہے جو بے انتہا غلط چھپے ہوئے ہیں جو اپنے مرتب کی لاعلمی کا پتہ دیتے ہیں جس کے لیے فراق صاحب کو لوگوں نے آنسوؤں

---

[1] نیا دور - حصہ اول - فراق نمبر 1983ء

سے اکثر روتے ہوئے دیکھا ہے[1]

اس بیان کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ گلبانگ کی سنِ اشاعت ۱۹۶۷ء ہے اور شبستان کی سنِ اشاعت ۱۹۶۵ ہے روحِ کائنات سنِ اشاعت ۱۹۴۵ء ہے جو دونوں سے بیس بائیس سال پہلے کی ہے۔ یہ مجموعہ صحت کے اعتبار سے اُن دونوں سے بہتر ہے کیوں کہ جین صاحب فراق کی رباعی کا ایک مصرعہ گلبانگ سے نقل کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہے۔

پو پھٹنے کا سماں سہانا ہے

شبستان سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "پو پھٹنے کا کیا سہانا ہے سماں" اور عروضی اعتبار سے دونوں کو بحر از خارج ثابت کیا ہے جبکہ روحِ کائنات میں یہ مصرع یوں نقل ہے "پو پھٹنے کا آج سہانا ہے سماں"[2]

اور عروضی اعتبار سے بھی یہ مصرع بالکل ٹھیک ہے اس کی تقطیع پیش ہے

پو پھٹنے	کا آج	سہانا ہے	سماں
مفعولن	مفعول	مفاعیلُ	فعل

گلبانگ میں چھپے غلط چند مصرعے جنھیں جین صاحب نے نقل کیا ہے اور انھیں عروضی اعتبار سے بھی غلط ثابت کیا ہے مصرعے پیش ہیں ــــ

مہ و مہر چکا جام و سبو لیتا ہوں

جبکہ یہ مصرع فراق کے مجموعے روپ میں اس طرح منقول ہے

"چھلکے ہوئے صد جام و سبو لیتا ہوں"[3]

یہ مصرع عروضی اعتبار سے بھی صحیح ہے نمونتاً تقطیع درج ذیل ہے

چھلکے ہُ	ے صد جامُ	سبو لیتا	ہوں
مفعولُ	مفاعیلُ	مفاعیلن	فع

اس مصرعے میں کیوں اور کیا تبدیلی ہوئی اس کا تذکرہ کرنا اب ضروری ہو گیا ہے

---

[1] فراق کی شاعری - ڈاکٹر افغان اللہ خاں - ص 669

[2] روحِ کائنات - فراق گورکھپوری - ص 35

[3] روپ فراق گورکھپوری - ص 17

اس لیے دو اہم نقادوں کا بیان پیش ہے جس میں اس مصرعے سے بحث کی گئی ہے
پہلے اثر لکھنوی کا بیان ملاحظہ ہو ۔

"کہنا چاہیئے تھا "چھلکتے ہوئے جام و سبو" کہا،
چھلکے ہوئے ۔ مقصود یہ تھا کہ لب ریز جام و سبو اور کہا
خالی یا قریب قریب خالی جام و سبو" [1]

اب شمس الرحمان فاروقی کا بیان پیش ہے ۔

"اثر لکھنوی نے اعتراض کیا کہ چھلکے ہوئے کے معنی ہیں خالی
یا کم بھرے ہوئے، جبکہ کہنا ہے چھلکتے ہوئے یعنی لبالب
بھرے ہوئے، فراق صاحب نے اس کو خاموشی سے تسلیم
کر کے "لب ریز کئی جام و سبو" ..... کر دیا۔" [2]

گلبانگ روپ کے بیس سال بعد شائع ہوئی اگر فراق نے اس مصرعے
کو تسلیم کر لیا تھا تو گلبانگ میں اس کی تصحیح کی ہوتی تاکہ ایک غیر موزوں مصرع
پیدا نہیں کہاں سے وجود میں آ گیا شمس الرحمان فاروقی صاحب نے جو تبدیل شدہ
مصرع نقل کیا ہے وہ مصرع بھی موزوں ہے اس کی تقطیع درج ذیل ہے ۔

لب ریز	کئی جام	سبو لبتا	ہوں
مفعول	مفاعیلُ	مفاعیلن	فع

گلبانگ کا ایک اور مصرع اس طرح نقل کیا ہے

رنگ لعلِ	یمن کا جگمگائے جیسے
مفعول	مفاعلن مفاعیلن فع

رنگ کی "ن" ساقط کر کے بروزن فع باندھا ہے جو جائز نہیں [3]
جبکہ یہ مصرع "روپ" میں اس طرح ہے

نگ لعل	یمن کا جگمگائے جیسے
مفعول	مفاعلن مفاعیلن فع

یہ مصرع موزوں ہے [4]

---

[1] چھان بین - اثر لکھنوی - ص 301
[2] عروض آہنگ اور بیان - شمس الرحمان فاروقی - ص-216
[3] نیا دور - حصہ اول فراق نمبر ص-232 [4] "روپ" فراق گورکھپوری - 176

ایسا نہیں ہے کہ "روپ" میں عروضی اسقام نہ ہوں "روپ" میں متعدد جگہ فراق نے عروضی ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے۔ نامی انصاری ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"روپ کی رباعیات میں چند ایسی بھی ہیں جو کمجور راہو آرٹ کی بازگشت معلوم ہوتی ہیں۔ بعض رباعیوں میں عروضی سقم بھی ہے جس کی نشان دہی اثر لکھنوی نے وضاحت سے کی ہے۔" [1]

"روپ" میں جہاں جہاں فراق سے عروضی لغزشیں ہوئی ہیں ان میں زیادہ تعداد ان رباعیات کی ہے جن میں فراق نے ہندی یا سنسکرت کے الفاظ استعمال کیے ہیں چند ایسے مصرعے پیش ہیں جن میں عروضی سقم ہندی یا سنسکرت کے الفاظ کی بنا پر ہوا ہے۔

مدھوبن کے / بسنت سا / سجیلا ہے / وہ روپ
مفاعیلن / مفاعیلُ / مفاعلن / مفاعیلُ / فعول

اس مصرعے کا پہلا رکن مفاعیلن یا مفعول ہوتا ہے۔ رباعی کے رکن کی ابتدا میں مفاعیلن یا مفاعیلُ نہیں آتا مدھوبن بروزن فَعَوْلُنْ ہے ایک اور ایسا مصرع جس میں فراق ہندی لفظ کو غلط تلفظ کے ساتھ لائے ہیں مصرع پیش ہے۔

سندر سکمار گا / تا اوشا کی / چھٹا
مفعول مفاعیلن / مفاعیلُ / فعل

اس مصرعے میں سکمار کے "ک" کو ساکن پڑھیں تب ہی مصرع موزوں ہوتا ہے لیکن اس کا صحیح تلفظ "ک" کی حرکت کے ساتھ ہے۔

منھ اٹھائے ہرن کے بچے کو مل لو چن
پو پھٹنے / کی جھنکار / لیے مدھر / بچن
مفعول / مفاعیل / مفاعلن / فعل

---

[1] نیا دور۔ فراق نمبر۔ حصہ اول ص 112

پہلے مصرعے میں منہ اٹھائے کا الف وصل کریں تب مصرع موزوں ہوتا ہے
دوسرے مصرعے میں تیسرا رکن مفاعلن ہے اور رباعی کا تیسرا رکن مفاعلن نہیں ہوتا
گو کہ نئے عروض داں حضرات سحر عشق آبادی، زار علامی اور عنوان چشتی نے
رباعی کے چوبیس ۲۴ اوزان میں بارہ ۱۲ کا اور اضافہ کیا ہے اس طرح کل چھتیس ۳۶ اوزان
ہو گئے لیکن نئے بارہ ۱۲ اوزان میں سے کسی نے بھی کوئی وزن نہیں برتا نا ہی ان
اوزان کے افادی پہلو سامنے آئے ہیں

صبح شبا / وصل زرّہ زرّہ نکھرا
فاعلن / فاعلن مفاعیلن فع

اس مصرعے کی ابتدا میں فاعلن آیا ہے جو رباعی کا رکن نہیں

ہمہ شبنم و گل، تمام رنگ و بو / ہے
مفاعیل مفاعلن / مفاعیلن / فع

اس مصرعے کی ابتدا وتد سے ہوتی ہے جبکہ رباعی کا پہلا رکن سبب سے
شروع ہوتا ہے اس کی تقطیع دوسری طرح ایسے ہو سکتی ہے کہ "ہمہ" کی
آخری "ہ" کو گرا دیں تو "ہمَ" بچتا ہے اس لفظ کے دونوں حروف متحرک
ہیں یہ حروف اگلے لفظ شبنم کے اگلے حصے "شبن" سے مل کر ہمَشبُن بنتا
ہے جو فَعِلاتُ کے وزن پر ہے شبنم کی "م" اگلے رکن میں شامل ہو گئی اس
لیے اس کا "ن" متحرک رہا۔

کیا جانے / کہاں بہا / لے جاتی / ہے
مفعول / مفاعلن / مفعولن / فع

اس مصرعے کا تیسرا رکن مفعولن ہے جبکہ یہاں مفاعیلن آنا چاہیے تھا
کیونکہ دوسرا رکن وتد پر ختم ہوا ہے تو تیسرے رکن کو بھی وتد سے شروع
ہونا چاہیے تھا۔ اس مصرعے کی تصحیح یوں کی جا سکتی تھی۔

کیا جانے / کہاں بہا / کے لے جاتی / ہے
مفعول / مفاعلن / مفاعیلن / فع

اب مصرع موزوں ہو گیا۔

یوں تو یہ سلسلہ اور بھی طویل ہو سکتا تھا لیکن روپ کی تمام رباعیات کا عروضی احاطہ اس مختصر مقالے میں ناممکن تھا یہ ایک الگ اور تفصیل طلب موضوع ہو سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ فراق کا یہ پہلو بہت کمزور ہے انھوں نے فن کے سلسلے میں احتیاط نہیں برتی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی دوسری تمام خوبیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے انہی خوبیوں اور ان کمیوں کی بنا پر ہی فراق کو آج چھوٹا فنکار اور بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔

کتابیات

نام کتاب	نام مصنف	
1- آب حیات	محمد حسین آزاد	1917 اسلامیہ سٹیم پریس لاہور
2- اردو رباعیات	ڈاکٹر سلام سندیلوی	1963ع نسیم بکڈپو لکھنؤ
3- اصناف سخن اور شعری ہیئتیں	شمیم احمد	1981ع انڈابک ایمپوریم بھوپال
4- انتخاب یگانہ	شعیب نظام	1985ع مکتبہ پیلیسر حیدری لکھنؤ
5- انجمن ترقی اردو ہند	شعیب نظام	1984ع جمال پرنٹنگ پریس دہلی
6- آیات و نغمات	جوش	1944ع
7- بادۂ مشرق	ساغر نظامی	
8- باقیات فانی	فانی بدایونی	1957ع مکتب شاہرہ دہلی
9- بحرالفصاحت	حکیم محمود نجم الغنی	1917ع مطبع منشی نول کشور لکھنوں
10- تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	مترجم محمد حسن عسکری لکھنو مطبع منشی نول کشور لکھنو
11- جنون و حکمت	جوش	
12- چھان بین	اثر لکھنوی	1950ع سرفراز قومی پریس لکھنو
13- داستان تاریخ ادب اردو	حامد حسن قادری	1957ع بڑا میدان ناظم آباد کراچی
14- دکن میں اردو	نصیر الدین ہاشمی	ترقی اردو بیورو نئی دہلی
15- دیوان اسیر	اسیر لکھنوی	1929ع رئیس کانپور
16- دیوان حسرت	اسما سعیدی	1978ع ترقی اردو بورڈ نئی دہلی
17- دیوان داغ	داغ دہلوی	لاہور
18- دیوان درد اردو	حبیب الرحمن خان شیروانی	1916ع مطبوعہ نول کشور لکھنو

19- دیوان غالب	مرتبہ مالک رام	1971ع آزاد کتاب گھر کلاں محل دھلی
20- دیوان مصحفی	مصفی	1965ع مکتبہ میری لائبریری لاھور
21- دیوان مومن	مرتبہ ضیا احمد بدایونی	1962ع شانتی پریس الہ آباد
22- دیوان ناسخ	ناسخ	1923ع نول کشور لکھنو
23- رباعیات آسی غازیپوری	آسی	1948ع نول کشور پریس لکھنو
24- رباعیات امجد حصّہ دوم	امجد	تاج پریس حیدرآباد (دکن)
25- رباعیات حالی	مرتب محمد مقتدی خان شیروانی	1932ع مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ
26- رباعیات دبیر	مرتبہ سرفراز حسین خبیر لکھنوی	1963ع
27- رباعیات رواں	جگت موھن لال رواں	
28- روپ	فراق گورکھپوری	1947ع سنگم پبلشنگ ھاوس الہ آباد
29- روح کائنات	فراق گھورکھپوری	1945ع ایوان اشاعت گورکھپور
30- روح صہبائی	اثر صہبائی	1945ع راج محل پبلیشر کشمیر
31- سنبل و سلاسل	جوش	47 ع کتب خانہ تاج آفس بمبئی
32- سموم وصبا	جوش	مفید پریس دھلی
33- سیف وصبو	جوش	مکتبہ اردو لاھور
34- شبنمستان	فراق گورکھپوری	1965ع وشوود الیہ پریس الہ آباد
35- عروض اور فنی مسائل	عنوان چشتی	پٹودی ھاوس دریا گنج نی دھلی
36- فراق کی شاعری	افغان اللہ خان	1988ع آفسیٹ پریس عسکر گنج گورکھ پور

37- کلیات اکبر حصہ سوم	اکبرالہ آبادی	1918ع اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد
38- کلیات سراج	مرتبہ عبدالقادر سروری	1982ع نیشنل پروسس رنجیت نگر نئی دہلی
39- کلیات سودا	رام نراین لال بینی مادھو	1971ع الہ آباد
40- کلیات قلی قطب	مرتبہ/ سیدہ جعفر	1985ع ترقی اردو بیورو نئی دہلی
41- کلیات میر	مرتبہ عبادت بریلوی	1958ع اردو دنیا کراچی
42- کلیات ولی	مرتبہ احسن مارہروی	1927ع انجمن اردو پریس اورنگ آباد دکن
43- کلید عروض	زار عامی	1981ع اگروال کلینک لوور مال پٹیالہ
44- گلبانگ	فراق	1967ع وشوودالیہ پریس الہ آباد
45- گلستان نازک خیال	قلی لکھنوی	لکھنو
46- مجموعہ رباعیات محروم	محروم	1947ع مکتبہ دانش لاہور
47- مجموعہ رباعیات میر انیس	محمد عباس حسینی	1948ع نول کشور پریس لکھنو
48- مہذب اللغات	مرتبہ حضرت مہذب لکھنوی	سرفراز قومی پریس لکھنو
49- لالہ و گل	اثر لکھنوی	فیروز پرینٹنگ پریس لاہور
50- یادگار امجد	مولف محمد اکبر الدین صدیقی	1916ع ابراہمیہ فاضلی حیدر آباد دکن

رسائل

1- انعکاس فراق نمبر	دسمبر 1983ء	مظفر پور بہار
2- شاہراہ (ماہنامہ)	اگست 1953ء	دہلی
3- شاہکار فراق نمبر	1965ء	الہ آباد
4- نیا دور فراق نمبر (حصّہ اول)	مارچ تا مئی 1983ء	لکھنو
5- نیا دور فراق نمبر (حصّہ دوم)	مئی تا جولائی 1984ء	لکھنو